Www.kashmirulyoum.com.pk

کشمیری عوام کی امنگوں کا ترجمان

راولپنڈی

ماہنامہ کشمیر الیوم

(رجسٹرڈ)

جلد نمبر 23، شمارہ نمبر 7، فروری 2026ء شعبان / رمضان ۱۴۴۷

مجلس مشاورت

متین فکری

عرفان صدیقی | حامد میر

سرور منیر راؤ | رُباب عائشہ | عاصم قدیر رانا

مدیرِ اعلیٰ : شیخ محمد امین

مدیر : فاروق احمد

نمائندگان

شمالی پنجاب : ارشد ایوب

آزاد جموں و کشمیر : غازی محمد اعظم

گلگت بلتستان : عبدالہادی ہونجوی

سرینگر : سید مزمل حسین سہروردی

جموں : وجے کمار رینا

لداخ : جعفر حسین علوی

لندن : انوار الحق

نیویارک : فائزہ نذیر

ڈیزائننگ : شیخ ابو حماد

کمپوزنگ :

منیجر فائنانس / سرکولیشن : شبیر یوسف

معاون سرکولیشن : طارق احمد

انچارج شعبہ اشتہارات : راجہ محمد شفیق

ویب انچارج : ڈاکٹر بلال احمد

اس شمارے میں

اداریہ	نمائشی نہیں۔۔۔عملی اقدام کی ضرورت!!!	چیف ایڈیٹر کے قلم سے	3
گرداب	رسم جوتم سے چلی باعث تقلید بنی	سید عارف بہار	4
حرف حُر	چڑیوں کو پیار تھا اس بوڑھے شجر سے!!!	شیخ محمد امین	7
فکرونظر	میرے استاد ملک محمد عبداللہؒ	شہباز بڈگامی	9
دیدۂ دل	علم وعمل کا روشن مینار	فاروق قیصر	12
اظہار خیال	تحریک اسلامی کی معروف ومتحرک شخصیت	اویس بلال	14
نقش وخیال	مقبول، افضل، امتیاز۔۔۔نام تین، خواب ایک	سید عمر اویس گردیزی	16
یوم یکجہتی کشمیر	کیا امید ٹوٹ رہی ہے؟	محمد احسان مہر	21
گردوپیش	تاریخ سے محروم نئی نسل	شہزاد منیر احمد	23
شخصیات	آہ ملک صاحب!!!	ابو فیضان	24
غزہ	طویل ترین قید کاٹنے والا فلسطینی سے ملاقات	افتخار گیلانی	25
سوال وجواب	آپ نے پوچھا ہے!!!	مفتی خالد عمران خالد	29
کشمیر کے شب وروز	بھارتی فوج اور مجاہدین کے درمیان خونی معرکے	ہمایوں قیصر	30

ماہنامہ کشمیر الیوم میں شائع ہر کالم، کالم نگار کی ذاتی آراء پر مبنی ہوتا ہے، جس سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں (چیف ایڈیٹر)

پبلشر : خواجہ محمد شہباز

مقامِ اشاعت : D-1005، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی

مطبع : والضحیٰ پرنٹرز، قیصر پلازہ، صدر، راولپنڈی

Regd. No. 885

Mails. B/NPR-234

قیمت 50 روپے، سالانہ زر تعاون 500 روپے

خط وکتابت اور رابطہ کیلئے: دفتر ماہنامہ ''کشمیر الیوم'' NA/300-A نیو ملپور ڈبل روڈ راولپنڈی Kashmirulyoum2014@gmail.com, 051-4934369

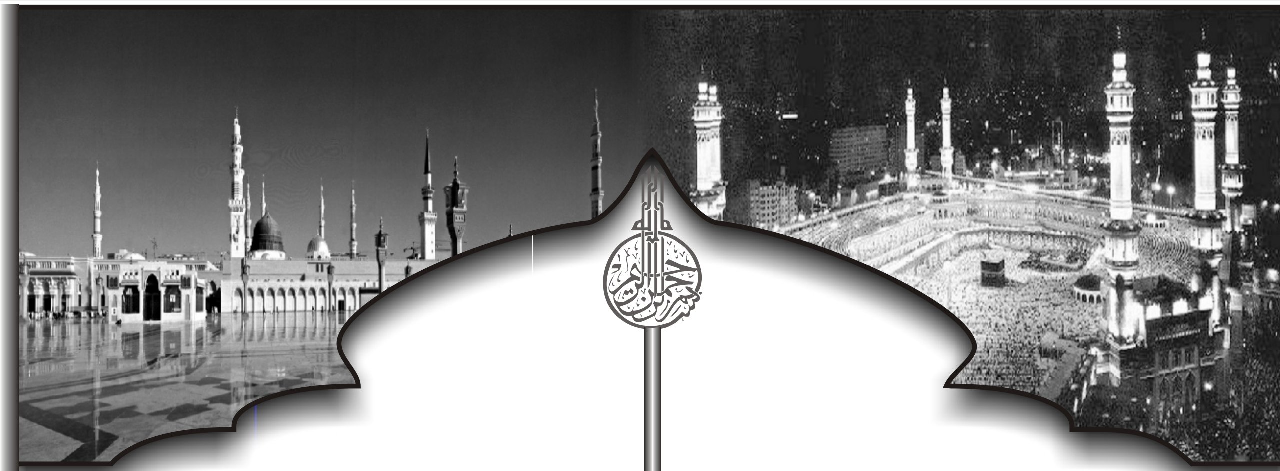

القرآن

ماہِ رمضان اور نزولِ قرآن کریم!!!

تم پر روزے فرض کر دیے گئے، جس طرح تم سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔

چند مقرر دنوں کے روزے ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو، یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ اور جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں، پھر نہ رکھیں، تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے زیادہ بھلائی کرے، تو یہ اسی کے لیے بہتر ہے۔ لیکن اگر تم سمجھو، تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ تم روزہ رکھو۔

رمضان وہ مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے، جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے، اس پر لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو، تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں، تو انہیں بتا دو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے، میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں یہ بات تم انہیں سنا دو شاید کہ وہ راہِ راست پا لیں۔

سورہ البقرہ (آیت نمبر 183 تا) 186 تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

الحدیث

روزہ ڈھال ہے!!!

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہے جیسے تم میں سے کسی شخص کے پاس لڑائی کی ڈھال ہو۔“

(نسائی، السنن)

روزہ کا ثواب بے حد اور بے اندازہ ہے!!!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
”آدم کے بیٹے کا نیک عمل دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک آگے جتنا اللہ چاہے بڑھایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : روزہ اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔“

(ابن ماجہ)

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اعمال صالحہ کا ثواب صدقِ نیت اور اخلاص کی وجہ سے دس گنا سے بڑھ کر سات سو گنا تک بلکہ بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن روزہ کا ثواب بے حد اور بے اندازہ ہے۔ یہ کسی ناپ تول اور حساب کتاب کا محتاج نہیں، اس کی مقدار اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اللہ کی راہ میں ایک روزے کا اجر!!!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسکے اور جہنم کے درمیان ستر سال کا فاصلہ پیدا فرما دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری)

نمائشی نہیں۔۔۔عملی اقدامات کی ضرورت!!!

یوم یکجہتی کشمیر محض ایک رسمی تاریخ یا جذباتی نعروں کا دن نہیں ہونا چاہیے، بلکہ یہ خود احتسابی اور عملی حکمت عملی کی تشکیل کا موقع ہے۔ گزشتہ دہائیوں میں ریلیاں، تقاریر، انسانی زنجیریں اور بیانات اپنی جگہ اہم رہے ہیں، مگر یہ تلخ حقیقت اب زیادہ واضح ہو چکی ہے کہ خالی خولی نعرہ بازی سے نہ تو مقبوضہ کشمیر کے زمینی حقائق بدلتے ہیں اور نہ ہی بھارت کی ریاستی پالیسی پر کوئی مؤثر دباؤ پڑتا ہے۔ مسئلہ کشمیر ایک سنجیدہ بین الاقوامی تنازع ہے، جس کے حل کے لیے اسی درجے کی سنجیدگی، تسلسل اور حکمت درکار ہے۔ بھارت نے 5 اگست 2019 کے بعد جس رفتار سے قانونی، انتظامی اور آبادیاتی اقدامات کئے، وہ محض وقتی فیصلے نہیں بلکہ ایک طویل المدتی منصوبے کا حصہ ہیں۔ زمینوں کی ضبطی، ڈومیسائل قوانین میں تبدیلی، آبادی کے تناسب کو بدلنے کی کوششیں اور مذہبی و ثقافتی شناخت کو مٹانے کے اقدامات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اگر عالمی سطح پر مؤثر دباؤ نہ ڈالا گیا تو کشمیر کو مکمل طور پر ہڑپ کرنے کے ساتھ اس کے مسلم تشخص کو بھی ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب طاقتور ریاستوں کو کھلی چھوٹ مل جائے تو وہ سپین کی طرح پورے خطے کی شناخت بدلنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں اور پھر صدیاں گزر جانے کے بعد وہاں مسلمان محض کتابوں میں تلاش کئے جاتے ہیں لہٰذا یوم یکجہتی کشمیر کا تقاضا یہ ہے کہ ہم جذبات کے ساتھ ساتھ حکمت عملی بھی اپنائیں۔ پاکستان کو سفارتی محاذ پر مستقل، مربوط اور جارحانہ انداز میں مسئلہ کشمیر کو زندہ رکھنا ہوگا۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں، انسانی حقوق کی رپورٹس، بین الاقوامی عدالتوں اور عالمی میڈیا کو محض سال میں ایک دن نہیں بلکہ مسلسل بنیادوں پر متحرک کرنا ضروری ہے۔ او آئی سی، یورپی یونین اور بااثر ممالک کے ساتھ عملی لابنگ، معاشی و تجارتی دباؤ کے امکانات اور انسانی حقوق کے عالمی اداروں کے ذریعے بھارت کو جوابدہ بنانے کی منظم کوششیں وقت کی اہم ضرورت ہیں۔ اسی طرح قومی سطح پر بھی یکجہتی کو محض تقریبات تک محدود رکھنے کے بجائے پالیسی، تحقیق اور بیانیے کی جنگ میں تبدیل کرنا ہوگا۔ کشمیریوں کی آواز کو مستند دستاویزات، شواہد اور مسلسل سفارتی رابطوں کے ذریعے دنیا تک پہنچانا ہوگا۔ یوم یکجہتی کشمیر تب ہی بامعنی ہوگا جب یہ دن ہمیں یہ یاد دلائے کہ آزادی کے وعدے نعروں سے نہیں، بلکہ مستقل دباؤ، واضح حکمت عملی اور عملی اقدام سے پورے ہوتے ہیں مزید برآں، یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی کہ بھارت کے اقدامات صرف جغرافیائی قبضے تک محدود نہیں رہے بلکہ اب وہ ایک منظم فکری، تعلیمی اور تہذیبی یلغار کی صورت اختیار کر چکے ہیں۔ نصابی کتب میں تبدیلی، تاریخ کی مسخ شدہ تعبیر، مذہبی علامات پر پابندیاں اور اسلامی تشخص کو کمزور کرنے کی شعوری کوششیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ یہ ایک "خاموش نسل کُشی" کا عمل ہے، جو بندوق سے زیادہ خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ اگر آج اس پہلو پر سنجیدگی سے توجہ نہ دی گئی تو آنے والی نسلیں اپنی شناخت، زبان اور تاریخ سے کٹ کر رہ جائیں گی۔ ایسے میں پاکستان اور آزاد کشمیر کے تعلیمی، تحقیقی اور فکری اداروں پر بھی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مسئلہ کشمیر کو محض سیاسی تنازع نہیں بلکہ انسانی، تہذیبی اور اخلاقی مسئلہ بنا کر دنیا کے سامنے پیش کریں۔ عالمی جامعات، تھنک ٹینکس اور انسانی حقوق کے فورمز پر تحقیقی مقالے، کانفرنسیں اور دستاویزی شواہد پیش کئے جائیں، تاکہ بھارت کے بیانیے کا مؤثر توڑ کیا جاسکے۔ میڈیا کے روایتی ذرائع کے ساتھ ساتھ ڈیجیٹل اور سوشل میڈیا کو بھی منظم انداز میں استعمال کرنا ہوگا، کیونکہ آج رائے عامہ کی تشکیل کا اصل میدان یہی ہے۔ اسی طرح بیرون ملک مقیم کشمیری اور پاکستانی کمیونٹی کو بھی وقتی ردعمل کے بجائے مسلسل اور منظم کردار ادا کرنا ہوگا۔ پارلیمانوں، انسانی حقوق کی کمیٹیوں اور سول سوسائٹی کے حلقوں تک رسائی حاصل کر کے ایک طویل المدتی دباؤ کی فضا قائم کرنا ناگزیر ہے۔ جب تک بھارت کو سیاسی، سفارتی اور اخلاقی سطح پر یہ احساس نہیں دلایا جائے گا کہ کشمیر میں اس کی پالیسیاں اسے عالمی تنہائی کی طرف لے جا رہی ہیں، تب تک وہ اپنے اقدامات سے باز نہیں آئے گا۔ آخر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یوم یکجہتی کشمیر ایک دن کا نام نہیں بلکہ ایک ریاست کا وعدہ ہے۔ وہ وعدہ ہے کہ کشمیریوں کو فراموش نہیں کیا جائے گا، ان کی شناخت مٹنے نہیں دی جائے گی اور ان کے حق خودارادیت کی جدوجہد ہر فورم پر جاری رکھی جائے گی۔ اگر یہ دن ہمیں اس مستقل جدوجہد کے لیے فکری اور عملی طور پر متحرک کر دے، تو تب ہی یوم یکجہتی کشمیر اپنی اصل روح کے ساتھ منایا جاسکے گا۔ ورنہ نمائشی اقدامات سے نہ کچھ حاصل ہوا نہ حاصل ہونے والا ہے۔

شہید مقبول بٹ رحمۃ اللہ علیہ
رسم جو تم سے چلی باعث تقلید بنی

عارف بہار

شیخ محمد عبداللہ نے نیا کشمیر کا محض نعرہ بلند کیا لیکن شہید محمد مقبول بٹ نے نئے کشمیر کی تشکیل کی۔نئے کشمیر کی کتاب کا دیباچہ نقد جان کو آب زر بنا کر رقم کیا۔کشمیر کا سب سے بڑا انقلابی کون ہے ؟وقت اس سوال کا جواب دیتا چلا جارہا ہے اور وقت کا جواب ہے مقبول بٹ ۔ظاہر ہے انقلابی وہی ہوتا ہے جو وقت اور زمانے کی لہروں کے الٹے رخ چلنا شروع کرتا ہے ۔زمانہ اس کی زبان اور لہجے کو نامانوس سمجھ کر اسے ہر قسم کے دشنام سے نوازتا ہے ۔پھر جب وہ تبدیلی اور انقلاب کی جدو جہد میں جان سے گزر جاتا ہے تب اس کی فکر و فلسفے سے پیچھے رہ جانے والے اس کے ذہن اور فکر رسا کا ساتھ نہ دینے والے بھی اس کے احترام میں سر جھکا دیتے ہیں ۔ایسے انقلابی کی مثال یوں ہوتی ہے کہ:

آج اگر میں دار و رسن میں ہوں پر آنے والا دن
شہر کی دیواروں پر چسپاں دیکھے گا فرمان مرے

محمد مقبول بٹ نے بہت پہلے یہ جان لیا تھا کہ بھارت کشمیریوں کو آسانی کے ساتھ سیاسی طور طریقوں، ہڑتالوں، مظاہروں، یاداشتوں کے ذریعے حق خودارادیت نہیں دے گا بلکہ اس مقصد کے لئے کشمیریوں کو خاک وخون کا ایک سمندر عبور کرنا پڑے گا۔ یہ وہ وقت تھا جب کشمیر عمومی طور پر سکتے کی کیفیت میں مبتلا تھا۔تیر شیخ محمد عبداللہ کی کمان سے نکل چکا تھا اور ہر گزرنے والا دن کشمیر پر بھارتی غلامی کی گرفت مضبوط بنا رہا تھا ہر طرف سکوت مرگ، جمود اور جماؤ کی کیفیت غالب تھی۔

محمد مقبول بٹ نے بہت پہلے یہ جان لیا تھا کہ بھارت کشمیریوں کو آسانی کے ساتھ سیاسی طور طریقوں، ہڑتالوں، مظاہروں، یاداشتوں کے ذریعے حق خودارادیت نہیں دے گا بلکہ اس مقصد کے لئے کشمیریوں کو خاک وخون کا ایک سمندر عبور کرنا پڑے گا۔

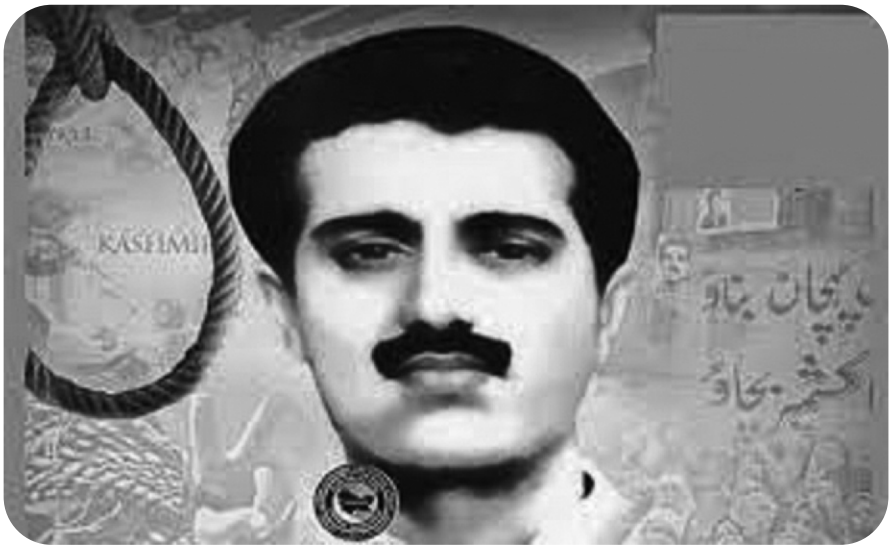

یہ وہ وقت تھا جب کشمیر عمومی طور پر سکتے کی کیفیت میں مبتلا تھا۔تیر شیخ محمد عبداللہ کی کمان سے نکل چکا تھا اور ہر گزرنے والا دن کشمیر پر بھارتی غلامی کی گرفت مضبوط بنا رہا تھا ہر طرف سکوت مرگ، جمود اور جماؤ کی کیفیت غالب تھی۔کشمیر کا ایک بہت بڑا طبقہ غلامی کو مقدر کا فیصلہ سمجھ کر مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا تھا۔ایک طبقہ مذبوح پرندے کی طرح پر امن طور پر حالات کی قید سے آزاد ہونے کیلئے پھڑ پھڑا رہا تھا لیکن حکمرانوں کی تضادات سے بھرپور کشمیر پالیسی میں اس طبقے کیلئے کوئی راہ عمل نہیں تھی اس مایوس کن صورت حال میں ایک نوجوان محمد مقبول بٹ نے آزادی کے خواب دیکھنے کا آغاز کیا وہ خوابوں میں زندہ رہنے والا شخص بھی نہیں تھا کہ ایک فکر پیش کر کے پس چلمن چلا جائے اور اپنے اہل وطن کو لڑنے مرنے کیلئے تنہا چھوڑ دے ۔ایک رومان پرور شخص کے طور پر اس نے ایک خواب دیکھا تو ایک عملیت پسند انسان کے طور پر اس خواب کو زمانے کا اسلوب اور چلن بنانے کیلئے عملی جدو جہد کا آغاز بھی کیا اور اسی عملی جدو جہد میں جان سے گزر گیا۔

اس عہد میں جب وعدہ خلافی اور عہد شکنی کو ایک بھول سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے محمد مقبول بٹ نے کشمیر کی ورکنگ باؤنڈری پر سچیت گڑھ کے مقام پر خاک وطن ہاتھ میں لے کر ایک عہد کیا، آزادئ وطن کیلئے زمانے سے ٹکرا جانے، حالاتِ زمانہ سے لڑنے کا عزم، جان سے گزر جانے کا عہدِ وفا اور پھر ۱۱رفروری ۱۹۸۴ءکو دہلی کی تہاڑ جیل میں پھانسی کا پھندا چوم کر مقبول بٹ نے 1965ءکو سوچیت گڑھ میں کیا جانے والا عہد نبھا کر دم لیا۔ ۲۰ برس سے اس سفر میں محمد مقبول بٹ نے دو بار کنٹرول لائن عبور کی اور کشمیر میں نوجوانوں کو ایک بھرپور مسلح جدو جہد کے لئے تیار کرنے کی کوشش کی۔ ایک ایسے سماج میں جو صدیوں سے امن اور عدم تشدد کی روایات میں گندھا ہوا ہے۔ گل وبلبل، ساز وسنتور، شب دیگ، وازہ وان، صوفیاء اور

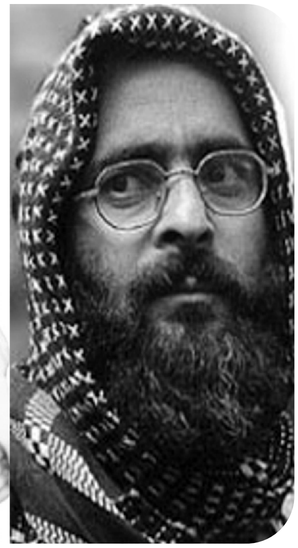

خانقاہوں کی صورت، اقدار، روایات اور تہذیب و ثقافت کی جڑیں جس میں گہری ہوں ایسے سماج میں لوگوں کو ایک پوری تاریخی، سیاسی، سماجی پس منظر سے کاٹ کر انقلابی جدو جہد کے لئے اُبھارنا انہیں قابض سسٹم سے بغاوت پر آمادہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا کیونکہ جس معاشرے میں تہذیبی ثقافت اور سماجی روایات جتنی گہری ہوں وہاں جان سے خواہ اپنی ہو یا کسی اور کی محبت پیدا ہونا فطری امر ہوتا ہے لیکن حریت فکر اور حریت عمل کی بات ہوگی تو پھر جان دینا اور جان لینا حالات کا فطری تقاضا ہوتا ہے اور کسی فرد کو اور سماج کو اس بڑی تبدیلی سے آشنا کرنے کے لئے ،لوگوں کو اس بڑی تبدیلی کے لئے ذہنی اور عملی طور پر آمادہ کرنے کے لئے قیادت کو قدم قدم پر بکھر کر سمٹنا، سمٹ کر بکھرنا، ٹوٹ کر جڑنا اور جڑ کر ٹوٹنا لمحہ بہ لمحہ جینا اور مرنا پڑتا ہے۔ ہر انقلابی کی طرح کشمیر میں ذہن سازی کے عمل میں مقبول بٹ کو ان ہی حالات سے گزرنا پڑا۔ مقبول بٹ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز جماعت اسلامی کے تحت چلنے والے ایک تعلیمی ادارے میں درس و تدریس سے کیا۔ مقبول بٹ سیماب صفت شخصیت تھے اور کم وقت میں بہت کچھ کر گزرنے کا سودا ان کے سر میں سمائے ہوئے تھا جس کی بنا پر انہوں نے اپنی جدو جہد کے لئے نئے ڈھب تلاش کرنا شروع کیے۔ مقبول بٹ نے جس عہد میں آزادئ کشمیر کا خواب دیکھا وہ یاسر عرفات کا عہد تھا۔ عمر مختار اور بن باﷲ کا زمانہ تھا۔ فلسطین لیبیا اور الجزائر کے ان ہیروز نے مقبول بٹ کے ذہن پر گہرے نقوش چھوڑے۔ سو مقبول بٹ نے مسلم دنیا کی ان تاریخ ساز شخصیات کو اپنے رول ماڈل کے طور پر پسند کیا۔ انہوں نے الجزائر کے نیشنل لبریشن فرنٹ اور پی ایل او کی طرز پر مسلح جدو جہد کے لئے نیشنل لبریشن فرنٹ کے نام سے تنظیم قائم کی۔ اسی بینر تلے انہوں نے کنٹرول لائن عبور کی اور ایک کاروائی میں بھارتی فوجی انسپکٹر امر چند کو یرغمال بنالیا اور انسپکٹر امر چند نے اس دوران بھاگنے کی کوشش کی تو مقبول بٹ کے ایک ساتھی اورنگزیب نے بھاگتے ہوئے امر چند کو گولیوں سے بھون ڈالا یہاں بھارتی پولیس نے مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف امر چند کے قتل کا مقدمہ درج کیا اسی دوران بھارتی پولیس نے اس گھر کا محاصرہ کیا جہاں مقبول بٹ اور ان کے ساتھی پناہ گزین تھے۔ یہاں بھارتی فوج اور مقبول بٹ کے ساتھیوں کے درمیان مسلح تصادم ہوا اور اورنگ زیب اور ان کے دو ساتھی شہید ہوئے جب کہ مقبول بٹ کو گرفتار کر کے سرینگر جیل بھیج دیا گیا۔ اس دوران بھارت نے مقبول بٹ کو انسپکٹر امر چند کے قتل کے جرم میں سزائے موت سنادی۔ دسمبر ۱۹۶۶ء میں زندان کی فصیلیں مقبول بٹ کے جذبوں، ولولوں اور جراٗتوں کے آگے ہار گئیں اور مقبول بٹ جیل توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوئے وہ پندرہ دن کا جانگسل سفر طے کرنے کے بعد بیس کیمپ پہنچے تو جہاں ہیرو کا پھولوں کے ہار لئے استقبال کرنا تھا وہاں ہتھکڑیاں منتظر تھیں اور سرینگر کے قیدی کا مقدر مظفر آباد میں بھی قیدی ہی ٹھہرا۔ مارچ ۱۹۶۹ء میں قید سے آزادی نصیب ہوئی تو مقبول بٹ نے دوبارہ ہاتھوں کو علم بنا دیا ایک روز وہ اپنوں کے ہاتھوں لگائے گئے زخموں، چرکوں اور تیروں کو فراموش کر کے ایک بار پھر کنٹرول لائن عبور کر گئے، ایک ایسی سرزمین جہاں انہیں سزائے موت دی جا چکی تھی اور موت ان کا تعاقب کر رہی تھی محمد مقبول بٹ نے اسی سرزمین میں پہنچ کر موت کا تعاقب شروع کر دیا۔ بالآخر ایک معرکہ آرائی کے بعد وہ دوبارہ گرفتار کئے گئے۔ بھارتی سپریم کورٹ نے ان کے سزائے موت کا حکم بحال کر دیا۔ 1984ء میں برطانیہ میں ایک بھارتی سفارت کار مہاترے قتل ہوگیا تو بھارتی صدر گیانی ذیل سنگھ اور وزیر اعظم

مقبول بٹ سیماب صفت شخصیت تھے اور کم وقت میں بہت کچھ کر گزرنے کا سودا ان کے سر میں سمائے ہوئے تھا جس کی بنا پر انہوں نے اپنی جدو جہد کے لئے نئے ڈھب تلاش کرنا شروع کیے۔ مقبول بٹ نے جس عہد میں آزادئ کشمیر کا خواب دیکھا وہ یاسر عرفات کا عہد تھا۔ عمر مختار اور بن باﷲ کا زمانہ تھا۔ فلسطین لیبیا اور الجزائر کے ان ہیروز نے مقبول بٹ کے ذہن پر گہرے نقوش چھوڑے۔ سو مقبول بٹ نے مسلم دنیا کی ان تاریخ ساز شخصیات کو اپنے رول ماڈل کے طور پر پسند کیا۔ انہوں نے الجزائر کے نیشنل لبریشن فرنٹ اور پی ایل او کی طرز پر مسلح جدو جہد کے لئے نیشنل لبریشن فرنٹ کے نام سے تنظیم قائم کی۔

مقبول بٹ کے بعد ایک اور شخص نے تہاڑ جیل کی کال کوٹھڑی میں تختہَ دار کو چوم کر جدوجہد کو آگے بڑھایا ۔یہ شخص انہی سے متاثر بھی تھا اور اسی ادا سے مقتل کو چل دیا ۔ یہ محمد افضل گورو تھے جو مقبول بٹ کی طرح انتقام گیری کو عدالتی فیصلے کا نام دے کر تختہ دار پر چڑھا دیئے گئے اور عدالت نے برملا تسلیم کیا کہ یہ فیصلہ بھارتی عوام کے ضمیر کو مطمئن کرنے کی خاطر کیا گیا ۔کئی سال بعد ایک جوان رعنا کے ہاتھ فضاؤں میں بلند ہوئے اور پوری کشمیری قوم اس کی جانب دیوانہ وار لپک پڑی ۔اس نوخیز جوانی کا نام برہان وانی تھا جس کے نام کی گونج کشمیر کی وادیوں سے اقوام متحدہ کے ایوانوں تک سنائی دی ۔ یوں کشمیریوں کی کتابِ جہد کا ایک ورق برہان وانی کے نام سے اُلٹ کر رہ گیا

اندرا گاندھی نے طیش میں آ کر ان کے سزائے موت پر عمل درآمد کا اعلان کیا اس وقت حکومت پاکستان بھارتی حکومت کے ساتھ محمد مقبول بٹ کی رہائی کیلئے بات چیت کر رہی تھی اور مقبول بٹ کی رہائی کے بدلے جاسوسی کے الزام میں گرفتار بھارتی فوج کے میجر کی رہائی کی پیش کش کر چکی تھی لیکن مہاترے کے اغوا اور قتل نے ڈپلومیسی کی ساری بساط الٹ دی ۔ 11 فروری 1984ء کو کشمیر کا ایک روشن چراغ تہاڑ جیل کی سلاخوں کے پیچھے اس سوچ کے ساتھ بجھا دیا گیا کہ اب کشمیر کی آزادی کی بات کرنے والا کوئی نہیں رہے گا لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد جوش جذبات اور انتقام کی آگ میں جل کر مقبول بٹ کو سزائے موت دینے والی اندرا گاندھی بدترین موت کا شکار ہوگئی اور اس کے محافظ ہی قاتل بن گئے ۔

مقبول بٹ کی شہادت کے بعد کشمیریوں کی سیاسی بے چینی بڑھتی چلی گئی اور علامتی طور پر ہی سہی مقبول بٹ کے یوم شہادت پر ہڑتال اور احتجاج کا سلسلہ چل پڑا ۔مقبول بٹ کی شہادت کے ٹھیک چار برس بعد کشمیر اس انقلاب آفرین جدوجہد سے آشنا ہوا جس خواب کی تکمیل کیلئے محمد مقبول بٹ نے پرصعوبت راہ کا انتخاب کیا تھا ۔ 31 جولائی 1988ء کو سرینگر سینٹرل ٹیلی گراف آفس پر ہونے والے بم دھماکے سے کشمیر کی سیاسی رُت اور کشمیریوں کے تیور و مزاج بدلنے کا جو عمل شروع ہوا تھا ایک مقبولِ عام تحریک آزادی پر منتج ہوا ۔ بھارتی قبضے کے خلاف مسلح جدوجہد کا نعرہ پوری قوم کا اسلوب اور طرز زندگی بن گیا ۔کشمیری اس ادا سے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ ایک زمانہ حیران و ششدر رہ گیا ۔خاک نشینوں کے اُٹھ بیٹھنے تخت گرانے اور تاج اچھالنے کی سب محاوراتی اور تصوراتی باتیں کشمیر میں جیتی جاگتی حقیقتوں کا روپ اختیار کرگئیں ۔اس تحریک کو معمولی سی بیرونی فوجی کمک ملتی تو کشمیر 1990ء کی سول نافرمانی میں ہی بھارتی قبضے سے آزاد ہو جاتا اور یہ بات کشمیر کے جلاد صفت گورنر جگ موہن نے اپنی کتاب My Frozen Turbulence In Kashmir میں تسلیم کی کہ 1990ء میں کشمیریوں کی بغاوت اور سول نافرمانی تحریک میں اتنی جان اور شدت تھی کہ دہلی کی معمولی سی غلطی کشمیر کو بھارت کیلئے مشرقی پاکستان بنا سکتی تھی ۔"میں نے سخت گیر اقدامات کر کے کشمیر کو بھارت کیلئے بچا کر واپس لایا ۔" جگ موہن نے یہ بھی لکھا تھا کہ "اس وقت عملاً کشمیر پر پاکستانی پرچم لہرا دیا گیا تھا ۔"

یہ کشمیریوں کا کسی عسکری تحریک سے بے مثال "رومانس" تھا جس پر عالمی حالات اور علاقے میں در آنے والی جغرافیائی تبدیلیوں مشرقی یورپ ،وسطی ایشیا ،انقلاب ایران اور افغان جہاد جیسی تحریکوں کا اثر بھی تھا جس زاویے اور رخ سے انقلاب کی تعریف کی جائے کشمیریوں کی بیداری کی اس لہر کو انقلاب کے سوا کوئی نام نہیں دیا جاسکتا محمد مقبول بٹ بلاشبہ اس انقلاب کا مرکزی کردار تھے ۔فرق صرف اتنا ہے کہ ان کی قربانی شخصیت اور فلسفہ نے ان کی شہادت کے بعد مقبولیت حاصل کی اور تاریخ ساز جدوجہد میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شہادت پیش کی ۔ ہزاروں افراد نے مختلف طریقوں سے اس شہادت گاہ میں اپنا حصہ ڈالا اور مسلسل ایک قوم اسی متعین کردہ راہ پر اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے ۔مقبول بٹ کے بعد ایک اور شخص نے تہاڑ جیل کی کال کوٹھڑی میں تختہَ دار کو چوم کر جدوجہد کو آگے بڑھایا ۔یہ شخص انہی سے متاثر بھی تھا اور اسی ادا سے مقتل کو چل دیا ۔ یہ محمد افضل گورو تھے جو مقبول بٹ کی طرح انتقام گیری کو عدالتی فیصلے کا نام دے کر تختہ دار پر چڑھا دیئے گئے اور عدالت نے برملا تسلیم کیا کہ یہ فیصلہ بھارتی عوام کے ضمیر کو مطمئن کرنے کی خاطر کیا گیا ۔کئی سال بعد ایک جوان رعنا کے ہاتھ فضاؤں میں بلند ہوئے اور پوری کشمیری قوم اس کی جانب دیوانہ وار لپک پڑی ۔اس نوخیز جوانی کا نام برہان وانی تھا جس کے نام کی گونج کشمیر کی وادیوں سے اقوام متحدہ کے ایوانوں تک سنائی دی ۔ یوں کشمیریوں کی کتاب جہد کا ایک ورق برہان وانی کے نام سے اُلٹ کر رہ گیا ۔وقت کی ہوا اب اس کتاب کو ورق در ورق اُلٹتی ہی چلی جائے گی کسی ورق پر مقبول بٹ تو کسی پر برہان وانی سمیت کوئی بھی عنوان ہو ۔

ہاتھ کٹتے رہے مشعلیں تابندہ رہیں
رسم جو تم سے چلی باعث تقلید بنی
شب کے سفاک خداؤں کو خبر ہوکہ نہ ہو
جو کرن قتل ہوئی شعلہ خورشید بنی

سید عارف بہار کشمیر کے معروف صحافی، کالم نگار اور مصنف ہیں

چڑیوں کو پیار تھا اس بوڑھے شجر سے!!!

شیخ محمد امین

ملک محمد عبداللہ المعروف ابومسلم عبداللہؒ محض ایک فرد کا نام نہیں تھے۔ وہ ایک سایہ دار درخت تھے جس کی چھاؤں میں فکر نے پرورش پائی، کردار نے نمو پائی اور مزاحمت نے سمت پائی۔ ان کی رحلت یوں محسوس ہوتی ہے جیسے کوئی مضبوط درخت گر پڑا ہو، اور اس سے وابستہ بے شمار چڑیاں یکایک اپنے آشیانوں کی ویرانی کا دکھ جھیلنے پر مجبور ہوگئی ہوں۔ وہ ایک عہد، ایک روایت اور ایک فکری تسلسل کی علامت تھے، جن کی زندگی مسلسل دعوت، تربیت، تصنیف اور جدوجہد آزادی کے گرد گھومتی رہی۔

وہ مربی بھی تھے، مبلغ بھی، مصنف بھی، داعی بھی اور ایک بالغ نظر تحریکی قائد بھی۔ ایسی جامع اور متوازن شخصیتیں تاریخ کے ہر دور میں کم ہی جنم لیتی ہیں اور جب رخصت ہوتی ہیں تو اپنے پیچھے ایک خاموش مگر گہرا خلا چھوڑ جاتی ہیں۔ مرحوم جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر کے فعال رکن رہے اور امیر تحصیل بانڈی پورہ کی حیثیت سے انہوں نے تنظیمی استحکام، فکری تربیت اور دعوتی عمل کو مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ ان کی قیادت میں جماعتی سرگرمیوں میں نظم، سنجیدگی اور مقصدیت نمایاں رہی۔ اسلام کی سربلندی اور اقامت دین کی جدوجہد ان کی زندگی کا مرکزی حوالہ تھی، اور اسی راہ میں انہیں قید و بند کی صعوبتوں سے بھی گزرنا پڑا۔ مگر زندان کی دیواریں ان کے عزم کو محصور نہ کرسکیں۔ آزمائشوں نے ان کے حوصلے کو مزید نکھار دیا۔

جب کشمیر میں عسکری مزاحمت کا آغاز ہوا تو ابومسلم عبداللہؒ نے حالات کے جبر کے باوجود اس جدوجہد سے کنارہ کشی اختیار نہ کی۔ یہ انتخاب ذاتی آسائشوں، خاندانی سکون اور مانوس زندگی سے دستبرداری کا اعلان تھا۔ اسی راہ وفا میں انہیں خاندان سمیت ہجرت کا کڑا امتحان سہنا پڑا۔ ہجرت کے یہ لمحے ان کی استقامت اور قربانی کے وہ روشن باب ہیں جنہوں نے ان کے فکر و عمل میں گہرائی اور وسعت پیدا کی۔ آپ حزب کمانڈ کونسل کے رکن رہے اور تعلیم و تربیت کے سربراہ کی حیثیت سے مجاہدین کشمیر کی فکری، نظریاتی اور اخلاقی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا۔

جب کشمیر میں عسکری مزاحمت کا آغاز ہوا تو ابومسلم عبداللہؒ نے حالات کے جبر کے باوجود اس جدوجہد سے کنارہ کشی اختیار نہ کی۔ یہ انتخاب ذاتی آسائشوں، خاندانی سکون اور مانوس زندگی سے دستبرداری کا اعلان تھا۔ اسی راہ وفا میں انہیں خاندان سمیت ہجرت کا کڑا امتحان سہنا پڑا۔ ہجرت کے یہ لمحے ان کی استقامت اور قربانی کے وہ روشن باب ہیں جنہوں نے ان کے فکر و عمل میں گہرائی اور وسعت پیدا کی۔ آپ حزب کمانڈ کونسل کے رکن رہے اور تعلیم و تربیت کے سربراہ کی حیثیت سے مجاہدین کشمیر کی فکری، نظریاتی اور اخلاقی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا۔ ان کا پختہ یقین تھا کہ محض عسکری قوت کسی تحریک کو منزل تک نہیں پہنچا سکتی، جب تک اس کے پیچھے فکری بالیدگی، اخلاقی استحکام اور دینی بصیرت کی مضبوط بنیاد موجود نہ ہو۔ اسی یقین کے تحت انہوں نے تربیت کو تحریک کی روح بنا دیا۔ مرحوم تحریک حریت جموں وکشمیر کے نمائندے کی حیثیت سے بھی سیاسی محاذ پر سرگرم رہے۔ سیاسی جدوجہد میں ان کا اسلوب متوازن، دلیل پر مبنی اور مقصد سے جڑا ہوا تھا۔ وہ حکمت، بصیرت اور دوراندیشی کو ترجیح دیتے تھے۔ میرا کئی معاملات میں ان کے ساتھ اختلاف رائے رہا لیکن الحمدللہ اختلاف رائے کے باوجود اخلاقی حدود اور شخصی وقار کو ہم نے کبھی مجروح نہیں ہونے دیا۔

ابومسلم عبداللہؒ نے اسلام اور تحریک آزادی کے موضوعات پر متعدد کتب تصنیف کیں جو آج بھی فکری رہنمائی کا معتبر ذریعہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مختلف اخبارات اور جرائد میں مسلسل لکھتے رہے۔ بالخصوص کشمیر الیوم میں ان کی تحریریں فکری گہرائی، تحریکی درد اور حقیقت پسندی کی آئینہ دار تھیں۔ تاہم 5 اگست 2019ء کے بعد انہوں نے قلم خاموش کرلیا۔ بارہا اصرار کے باوجود وہ دوبارہ لکھنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس خاموشی کے پیچھے ایک گہرا دکھ اور ایسا کرب تھا جو ان کے ساتھ زندگی کے آخری لمحے تک رہا۔

وہ نہایت خداترس، عبادت گزار، نیک سیرت اور درد مند دل

ابو مسلم عبداللہؒ نے اسلام اور تحریک آزادی کے موضوعات پر متعدد کتب تصنیف کیں جو آج بھی فکری رہنمائی کا معتبر ذریعہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مختلف اخبارات اور جرائد میں مسلسل لکھتے رہے۔ بالخصوص کشمیر الیوم میں ان کی تحریریں فکری گہرائی، تحریکی درد اور حقیقت پسندی کی آئینہ دار تھیں۔ تاہم 5 اگست 2019ء کے بعد انہوں نے قلم خاموش کرلیا۔ بارہا اصرار کے باوجود وہ دوبارہ لکھنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس خاموشی کے پیچھے ایک گہرا دکھ اور ایسا کرب تھا جو ان کے ساتھ زندگی کے آخری لمحے تک رہا۔

رکھنے والے انسان تھے۔ طبیعت میں خاموشی اور وقار غالب تھا،

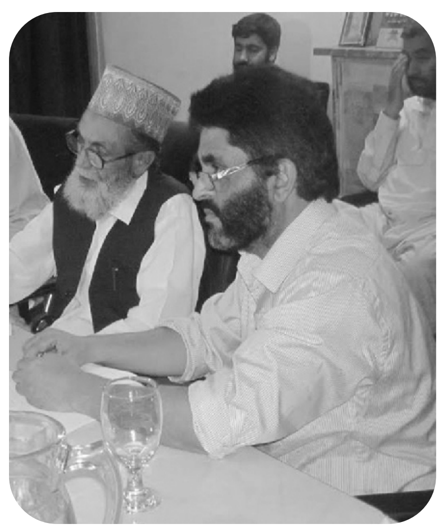

مگر جب بولتے تو کھل کر پورے شعور اور دیانت کے ساتھ بولتے تھے۔ وہ ایک اچھے انسان، سچے داعی اور صائب الرائے شخصیت تھے۔ دورانِ علالت دو مرتبہ ان سے ملاقات کا موقع ملا، چہرے پر طمانیت تھی اور آنکھوں میں ایک عجب سکون، جیسے وہ اپنے رب سے ملاقات کے لیے آمادہ ہوں۔ انکے دل میں ایک مستقل خلش موجود رہی کہ تحریک مزاحمت جموں وکشمیر کو جتنا نقصان اپنوں کی کوتاہیوں اور اپنی اندرونی کمزوریوں نے پہنچایا، اتنا دشمن بھی نہ پہنچا سکا۔ یہ کڑوا سچ وہ پوری دیانت سے محسوس کرتے تھے اور شاید یہی احساس ان کے اندرونی کرب اور طویل خاموشی کا سبب بھی بنا۔ ان کی رحلت سے تحریک آزادی کے متوالوں اور اسلام پسند حلقوں کو گہرا صدمہ پہنچا ہے۔ ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جسے پُر کرنا آسان نہیں۔ ابو مسلم عبداللہؒ جیسے لوگ رخصت ہو کر بھی اپنے پیچھے فکر، کردار اور استقامت کی ایسی میراث چھوڑ جاتے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے، ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے اور جس مقصد کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی، اسے پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین۔

پاپا عبداللہ صاحب

تاریخ کی گلیوں میں ننگے پاؤں چلتے رہے،
زخموں کو صحیفہ بنا کر اٹھائے رکھا،
کبھی دنیا سے یہ تقاضا نہ کیا کہ وہ ان کا درد پڑھے یا سمجھے
شہرت نے بارہا ان کے دروازے پر دستک دی
مگر وہ خاموشی کے وفادار رہے
گھن گرج پر سچ کو ترجیح دی
اور شور کے بجائے وقار کو چُنا
ان کی محبت اتنی پاکیزہ تھی
کہ خود درد بھی شرمندہ ہو گیا
ان نشانوں پر جو اس نے چھوڑے تھے
نہ اسٹیج کی طلب تھی
نہ روشنیوں کی ہوس
ان کی روشنی
اندھیری ساعتوں کے لیے تھی
نہ کہ سجے ہوئے منظرناموں کے لیے
سرخیوں کے لیے وہ شاید کافی بلند نہ تھے
مگر اتنے گہرے ضرور تھے کہ نسلوں کے شعور میں اتر گئے
انہوں نے محبت کو خون بنایا
خواہش اقتدار کو نہیں لیے ان کی غیر موجودگی
ان کی موجودگی سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ہے
ایسے لوگ مرتے نہیں
وہ ضمیر میں پناہ لے لیتے ہیں
جہاں دنیا ان سے ہمیشہ ذرا دیر سے ملتی ہے

ڈاکٹر ولید رسول

میرے استاد: ملک محمد عبداللہ

محمد شہباز بڈگامی

ملک محمد عبداللہ بھی اللہ کے حضور پیش ہوگئے۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

وہ مرنجاں مرنج شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بلاشبہ تحریک اسلامی اور جدوجہد آزادی کشمیر کا اثاثہ تھے۔ تحریک اسلامی اور تحریک آزادی کشمیر ان کا کل اوڑھنا بچھونا تھا، اور اسی کی آبیاری کرتے کرتے جان جان آفرین کے سپرد کردی۔ وہ نمود و نمائش کے نہ قائل تھے اور نہ ہی وہ اس سحر میں کبھی مبتلا ہوئے۔ ان کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا۔ وہ جہاں قلم کے شہکار تھے، وہیں جب بولتے تھے، تو ان کے منہ سے جیسے پھول جھڑتے تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انہیں ان دونوں مضامین پر مکمل دسترس حاصل تھی تو بے جا نہ ہوگا۔ البتہ وہ خاموش طبیعت کے مالک بھی تھے۔ وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو تھے۔ وہ حق پر ڈٹنے والے شخص بھی تھے، اور کوئی وقتی ابال انہیں حق سے

وہ نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو تھے۔ وہ حق پر ڈٹنے والے شخص بھی تھے، اور کوئی وقتی ابال انہیں حق سے روگردانی مائل بہ آمادہ نہیں کرسکا۔ 1997 اور 2003 میں بڑے تنظیمی بحران واضح مثالیں ہیں، وہ نہ صرف تمام تر مخالفتوں کے باوجود تنظیم بلکہ اپنے قائد جناب سید صلاح الدین احمد کیساتھ چٹان کی مانند کھڑے رہے۔ یہ کردار ان کی شخصیت میں عزت افزائی کا بے پناہ اضافے کا باعث بنا۔ وہ ڈنکے کی چوٹ پر بات کرنے کا ملکہ اور سلیقہ بھی رکھتے تھے، وہ موقع محل کی خوبیوں سے بھی آگاہ تھے۔ وہ اپنے اور پرائیوں کی بات سننے کا بھرپور حوصلہ بھی رکھتے تھے اور پھر تاریخی حوالوں سے بھرپور جواب بھی دیتے تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔

روگردانی مائل بہ آمادہ نہیں کرسکا۔ 1997 اور 2003 میں بڑے تنظیمی بحران واضح مثالیں ہیں، وہ نہ صرف تمام تر مخالفتوں کے باوجود تنظیم بلکہ اپنے قائد جناب سید صلاح الدین احمد کیساتھ چٹان کی مانند کھڑے رہے۔ یہ کردار ان کی شخصیت میں عزت افزائی کا بے پناہ اضافے کا باعث بنا۔ وہ ڈنکے کی چوٹ پر بات کرنے کا ملکہ اور سلیقہ بھی رکھتے تھے، وہ موقع محل کی خوبیوں سے بھی آگاہ تھے۔ وہ اپنے اور پرائیوں کی بات سننے کا بھرپور حوصلہ بھی رکھتے تھے اور پھر تاریخی حوالوں سے بھرپور جواب بھی دیتے تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا کسی موضوع پر گفتگو کرنے سے قبل اس پر مکمل تیاری بھی کرتے تھے، تاکہ موضوع کیساتھ انصاف کیا جاسکے۔ سرزمین جموں وکشمیر کے ایک اور مایہ ناز فرزند جناب شیخ تجمل الاسلام بھی اسی صفت کے مالک تھے۔ بلاشبہ ملک صاحب نابغہ روزگار شخصیت تھے۔

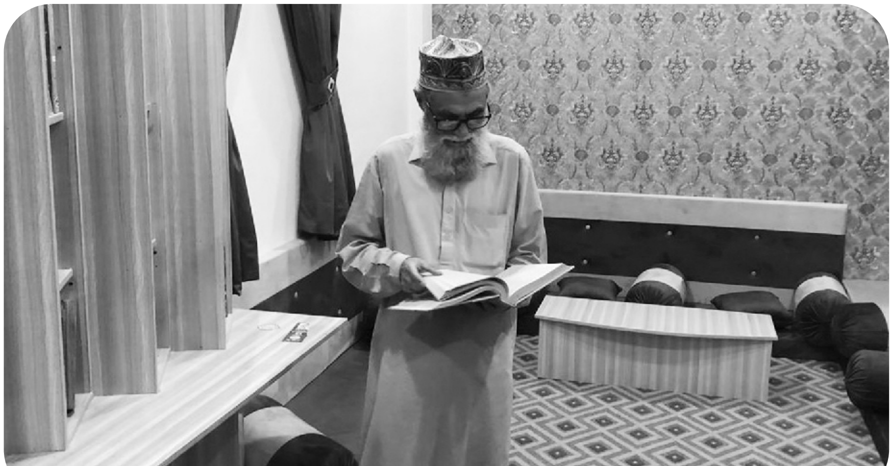

ملک محمد عبداللہ نے اپنی پوری زندگی کشمیری عوام کی آزادی، عزت، حرمت اور حقوق کیلئے وقف کر رکھی تھی۔ ان کی پہنچان جہاں ایک دین دار شخصیت کی تھی، وہیں وہ سیاسی افق کے طور پر بھی خوب ابھرے۔ انہوں نے مادر وطن کی آزادی کیلئے بڑی قربانیاں بھی دیں۔ ملک محمد عبداللہ کا تعلق آلوسہ بانڈی پورہ سے تھا، جو مقبوضہ جموں وکشمیر کے شمالی علاقے کا ایک مشہور و معروف گاؤں ہے۔ ان کی پیدائش 1952 کی دہائی میں ہوئی تھی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے حاصل کی۔ بعد ازاں ڈگری کالج سوپور سے گریجویشن مکمل کی۔ البتہ بچپن ہی سے وہ دین و دنیا کے عصری علوم میں گہری دلچسپی رکھتے تھے، خاص طور پر قرآن وحدیث اور اسلامی فقہ میں۔ ان کی زندگی میں مکمل توازن تھا۔ جس کا اثر ان کی زندگی کے مختلف مراحل میں دکھائی دیا۔ 1990 کی دہائی میں بھارتی مظالم کا مقابلہ کرنے کیلئے جہاں لاکھوں ہزاروں لوگوں نے آزاد کشمیر کی طرف ہجرت کی، وہیں بھارت کی جانب سے مقبوضہ جموں وکشمیر میں مظالم کی شدت میں اضافہ ہوا تھا۔ بھارتی افواج نے کشمیری عوام کے خلاف بڑے پیمانے پر ظلم وستم کا سلسلہ شروع کیا۔ جس میں نہ صرف سیاسی رہنماؤں کو نشانہ بنایا گیا بلکہ عام شہریوں کو بھی بھارتی جبر کا سامنا کرنا پڑا۔

جماعت اسلامی مقبوضہ جموں وکشمیر کے گھرانے اور افراد بطور خاص نشانہ تھے۔ ملک صاحب امیر تحصیل بانڈی پورہ بھی تھے، وہ 1987 میں مسلم متحدہ محاذ کے جھنڈے تلے انتخابات میں بھی

1991,92 میں جب تحریک آزادی کشمیر کو صوتی محاذ پر اجاگر کرنے کی ضرورت آن پڑی ،تو نظر انتخاب ملک صاحب ٹھہرے۔ان کی قیادت میں چھ افراد پر مشتمل ایک متحرک اور پڑھی لکھی ٹیم نے ریڈیو صدائے حریت جموں وکشمیر کی داغ بیل ڈالی،جس میں شہید مجاہد کمانڈر مسعود احمد تانترے بھی شامل تھے۔ملک صاحب کے تبصرے اور تجزیئے بے مثال ہوتے تھے۔وہ دشمن کے انگ انگ پر چوٹ مارنے کے ماہر اوراس فن سے بخوبی واقف تھے۔

حصہ لے چکے تھے اور دس ہزار کے قریب ووٹ بھی ان کے حق میں پڑ چکے تھے۔جو ان کی حمایت اور کامیابی کی واضح دلیل تھی،چونکہ بھارت جمہوریت کا نعرہ تو لگا تا ہے،لیکن مقبوضہ جموں وکشمیر میں بھارتی جمہوریت کا انتم سنسکار ہو چکا ہے،لہٰذا ملک صاحب بھی 1987 کے انتخابات میں جیتنے کے باوجود ہارنے والوں میں شامل تھے۔یہ بھی ان کا ایک جرم تھا۔وہ بھی 1990 کے وسط میں کنٹرول لائن عبور کر کے آزاد کشمیر پہنچے۔وہ چونکہ تخلیقی انسان تھے۔1991,92 میں جب تحریک آزادی کشمیر کو صوتی محاذ پر اجاگر کرنے کی ضرورت آن پڑی ،تو نظر انتخاب ملک صاحب ٹھہرے۔ان کی قیادت میں چھ افراد پر مشتمل ایک متحرک اور پڑھی لکھی ٹیم نے ریڈیو صدائے حریت جموں وکشمیر کی داغ بیل ڈالی،جس میں شہید مجاہد کمانڈر مسعود

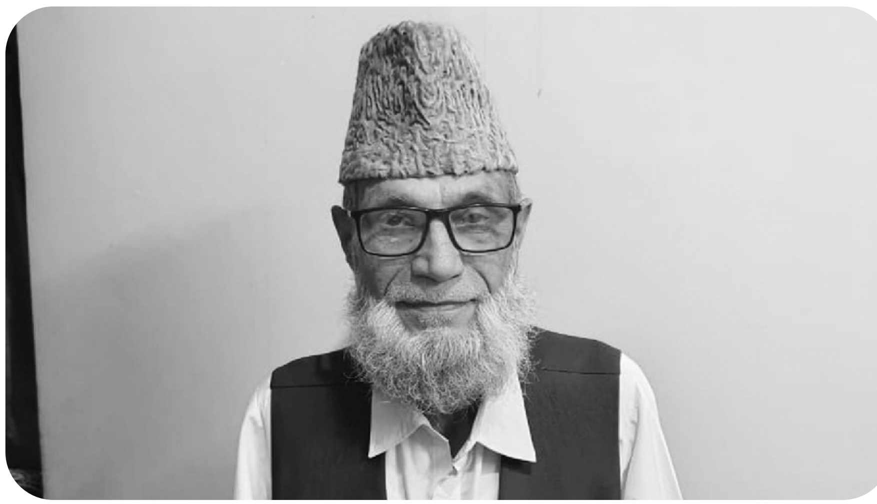

احمد تانترے بھی شامل تھے۔ملک صاحب کے تبصرے اور تجزیئے بے مثال ہوتے تھے۔وہ دشمن کے انگ انگ پر چوٹ مارنے کے ماہر اوراس فن سے بخوبی واقف تھے۔کئی بار ریڈیو کشمیر سرینگر سے ان کے تبصروں اور تجزیوں کا نام لیکر جواب دینے کی کوشش بھی کی جاتی رہی تھی۔تحریک آزادی کشمیر کے بطل حریت امام سید علی گیلانی ؒ نے ایک موقع پر ملک صاحب کے تبصرے پر اپنی رائے کا برملا اظہار بھی کیا تھا۔جسے ان کی موضوع پر مکمل دسترس کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔1992 کے آخر میں مجھ ناچیز کو مذکورہ ادارے میں ہی بطور ان کا شاگرد بننے کا موقع میسر آیا۔انہوں نے میری انگلی پکڑ کر مجھے سکھایا اور پڑھایا۔ورنہ مجھے قلم بھی پکڑنا نہیں آتا تھا،لکھنایا بولنا تو دور کی بات۔ان کا یہ احسان میں آخری سانس تک نہیں بھولوں گا،جس کا مجھے شدت کیساتھ احساس اور میں بطور فخر اس کا ذکر کرنے سے کبھی نہیں ہچکچایا۔ان کے خاندان کیساتھ میرا اچھا تعلق بھی انہی خطوط پر استوار ہے۔جو کبھی ماند نہیں پڑا۔

ملک محمد عبداللہ اپنی سیاسی فکر اور نظریئے میں یکسو تھے،اور وہ کشمیری عوام کے حقوق کی خاطر اپنی آواز آخری سانس تک بلند کرتے رہے۔ملک محمد عبداللہ نہ صرف ایک سیاسی رہنما تھے بلکہ ایک عالم دین بھی تھے۔قرآن وحدیث ان کے دل و دماغ میں رچا بسا تھا۔جس کا ثبوت یہ ہے کہ بستر مرگ پر بار بار اپنے دونوں ہاتھ کانوں کی لو کیساتھ لگا کر نماز پڑھنے کی پوزیشن بناتے اور پھر آنکھیں کھول کر آس پاس کا مشاہدہ بھی کرتے۔یہ منظر ہم نے کئی مرتبہ دیکھا،جب 31 دسمبر 2025 کے آخری دن میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ ان کی عیادت کیلئے ایم ایچ راولپنڈی گیا تھا،جہاں ان کے چاروں بیٹے،بیٹی اور داماد موجود تھے۔پھر یکم جنوری 2026 بروز جمعرات کی صبح ملک صاحب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

جیسے کہ میں نے اس بات کا ذکر کیا کہ وہ تخلیق پسند تھے۔انہوں نے کئی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ان کی تحریریں موضوعات پر بھی گہری تحقیق کی حامل ہیں۔جن میں کشمیر کہانی لہو کہانی،حزب المجاہدین تحریک آزادی جموں وکشمیر کے افق پر،فتنہ دجال اور نجات کا راستہ شامل ہیں۔انہوں نے اپنی تصانیف میں کشمیری مسلمانوں کی حالت زار اور بھارت کے جابرانہ اقدامات کا تفصیل سے ذکر کیا۔اس کے علاوہ انہوں نے کشمیری عوام کی آزادی کے حق میں اپنے مضبوط دلائل دیے اور عالمی برادری سے مطالبہ کیا کہ کشمیری عوام کو ان کے حقوق دیے جائیں۔جن کا پوری دنیا کو گواہ ٹھہرا کر اہل کشمیر کیساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔وہ شاعر بھی تھے،انہوں نے کشمیری اور اردو دونوں زبانوں میں شاعری میں بھی اپنا لوہا منوایا۔وہ پاکستان ٹیلی ویژن PTV پر بھی مشاعروں میں حصہ لیتے رہے۔

ملک محمد عبداللہ کا امام سید علی گیلانی ؒ کیساتھ شروع دن سے بہت قریبی تعلق رہا۔2003 میں تحریک آزادی کشمیر کے صوتی محاذ سے فراغت اور پھر سید علی گیلانی کے بطور نمائندہ ان کی نامزدگی عمل میں لائی گئی،جو ان کی ذات پر تنظیم کیساتھ ان کی نظریاتی اور ہمالیائی وابستگی کا کھلا ثبوت اور اظہار تھا۔وہ کل جماعتی حریت کانفرنس آزاد کشمیر شاخ میں بطور سیکرٹری جنرل کافی عرصہ تک اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔وہ گیلانی صاحب کے سیاسی بیانات اور خیالات کی کھل کر تائید کرتے تھے اور کشمیری عوام کے حق میں ان کی جدوجہد میں شریک کار بھی تھے۔ملک عبداللہ نے سید علی گیلانی کی رہنمائی میں تحریک

آزادی کشمیر کی حمایت کو حرز جان بنائے رکھا اور مقبوضہ جموں وکشمیر پر بھارتی تسلط کے خلاف اپنی توانا آواز بلند کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کی اور نہ کبھی ہچکچائے۔ بعدازاں ان کی انہی صلاحیتوں کے استفادہ کیلئے انہیں ہمہ وقت مرکز میں تعینات رکھا گیا اور وہ مرکزی ناظم تعلیم وتربیت کی ذمہ داریاں نبھاتے رہے۔ 2025 میں وہ صحت کے مسائل سے دوچار ہوئے۔گو کہ وہ پہلے سے معدے اور گردے کے آپریشن کے مراحل سے گزر چکے تھے۔وہ جسمانی طور پر بہت کمزور ہو چکے تھے۔مگر وہ پرعزم تھے اور ان کے عزائم کبھی مضمحل نہیں ہوئے۔جوان کا بڑا خاصہ اور وصف تھا۔

ملک محمد عبداللہ کے انتقال سے تحریک آزادی کشمیر ایک دین پسند شخص اور ہمدرد سے محروم ہوگئی۔ان کی وفات کشمیری برادری کیلئے ایک علمی نقصان ہے۔ملک محمد عبداللہ کی وفات کے بعد مختلف سیاسی اور دینی شخصیات نے انہیں شاندار خراجِ عقیدت پیش کیا۔سید صلاح الدین احمد نے ان کی نماز جنازہ کے موقع پر ان کیساتھ گزرے اوقات کو یاد کیا اور ان کی قربانیوں کو بے حد سراہا۔جناب سید نے کہا کہ ملک صاحب کی جدائی انتہائی تکلیف دہ ہے،اسلام کی سربلندی کی جدوجہد کی پاداش میں انہیں قید و بند کی صعوبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔آپ حزب کمانڈ کونسل کے رکن رہے اور تعلیم وتربیت کے سربراہ کی حیثیت سے مجاہدین کشمیر کی فکری ونظریاتی تربیت میں کلیدی کردار ادا کیا۔وہ ایک نہایت خدا ترس، عبادت گزار، نیک سیرت اور ہمدرد انسان تھے۔جناب سید کی موجودگی میں مرحوم کی نماز جنازہ ان کے فرزند ملک تحمل الاسلام نے پڑھائی،جو ہر لحاظ سے قابل فخر اور اس بات پر دلالت ہے کہ وہ اپنی اولاد کی دینی فکر کی تربیت سے کسی طور پر بھی لاتعلق یا غافل نہیں تھے،مذکورہ فرزند کو میدان جہاد میں دشمن کیساتھ دو دو ہاتھ کرنے میں جناب ملک صاحب نے ہی بھیجا تھا۔

ملک محمد عبداللہ کی وراثت ایک طاقتور اور بے لوث جدوجہد کی شکل میں زندہ رہے گی۔ان کی تصنیفات،تقریریں اور تحریریں کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کا کردار تحریک آزادی کشمیر میں ہمیشہ ایک رہنمائی فراہم کرنے والے کی صورت میں زندہ وتابندہ رہے گا۔ان کی زندگی عظیم قربانیوں سے مزین ہے۔انہوں نے اپنی قوم کی خدمت میں نہ صرف اپنی ذاتی زندگی قربان کی بلکہ اپنے دین، ثقافت اور عقیدے کی ترویج کیلئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ان کی زندگی کی جدوجہد ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ حقیقی قیادت صرف عوام کی خدمت کرنے سے ہی میسر آتی ہے،اور اس خدمت میں کسی بھی قسم کا لالچ یا ذاتی مفاد شامل نہیں ہوتا۔ملک محمد عبداللہ کا نام ہمیشہ تحریک آزادی کشمیر میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔عجب شخص تھے۔

مقبوضہ جموں وکشمیر میں بھارت کے غاصبانہ قبضے کے خاتمے کیلئے اہل کشمیر کی جاری تحریک آزادی میں فروری کے مہینے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔اس مہینے میں سرزمین کشمیر کے دو بلند ہمت فرزندوں جناب محمد مقبول بٹ اور جناب محمد افضل گورو نے بھارت کی تہاڑ جیل میں بالترتیب 11 فروری 1984 اور 09 فروری 2013 میں پھانسی کے پھندے کو چوم کر تاریخ میں ہمیشہ کیلئے امر ہو گئے۔محمد مقبول بٹ 1960 کی دہائی کے ایک سرکردہ کشمیری رہنما تھے۔انہوں نے بھارتی حکومت کے ظلم و جبر کے خلاف نعرہ مستانہ بلند کیا اور مقبوضہ جموں وکشمیر کی آزادی کیلئے اپنی جان کی قربانی دی۔

1966 میں بھارتی حکومت نے انہیں گرفتار کیا اور 1984 میں دہلی کی تہاڑ جیل میں پھانسی دے دی۔ان کی شہادت کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی میں ایک سنگ میل ہے۔محمد افضل گورو 2001 میں بھارتی پارلیمنٹ حملے کے جھوٹے مقدمے میں گرفتار کیے گئے اور 2013 میں بھارتی حکومت نے انہیں پھانسی دے دی۔بھارتی سپریم کورٹ نے محمد افضل گورو کی پھانسی کو بھارتی عوام کے ضمیر کو مطمئن کرنے کا نام دیکر پوری دنیا میں اپنے لیے ذلت و رسوائی کا سامان کیا اور یہ بات تسلیم کی کہ یہ فیصلہ عوامی دباؤ اور جذبات کی بنیاد پر کیا گیا،نہ کہ عدلیہ کی مکمل آزادی کے تحت۔یہ سنگ دلانہ فیصلہ آج بھی بھارتی سپریم کورٹ کا پیچھا کر رہا ہے۔

وہیں ایک اور سپوت بشیر احمد پیر المعروف کمانڈر امتیاز عالم بھی ایک نمایاں مقام اور حیثیت رکھتے ہیں۔چیتے کا جگر رکھنے والا امتیاز عالم بھارت کیلئے خوف کی علامت تھے۔انہوں نے بے شمار معرکوں میں دشمن کو ناکوں چنے چبوائے۔جب دشمن ان کا مقابلہ کرنے میں بے دست و پا ہوگیا،تو ان کے والد بزرگوار کو پیرانہ سالی میں اپنے ہی گھر پر گولیاں مار کر شہید کیا گیا۔دشمن کے اس بزدالانہ وار سے امتیاز عالم کے قدم تو نہیں ڈگمگائے،البتہ دشمن نے ان کے خلاف کرائے کے قاتلوں کی خدمات حاصل کیں اور پھر 20 فروری، 2023 کو راولپنڈی میں نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد انہیں گولیاں مار کر شہید کیا گیا۔ان کی دلیرانہ جدوجہد آج بھی کشمیری نوجوانوں کیلئے تحریک کا باعث ہے۔یہ تینوں رہنما تحریک آزادی کشمیر کے ہیرو ہیں، جنہوں نے اپنے خون سے اس جدوجہد کو زندہ رکھا، پروان چڑھایا اور آبیاری کی۔ان کی قربانیاں اہل کشمیر کے عزم کا اظہار ہیں اور ان کی یاد ہمیشہ کشمیری عوام کے دلوں میں تازگی کا احساس دلاتی رہے گی۔

چیتے کا جگر رکھنے والا امتیاز عالم بھارت کیلئے خوف کی علامت تھے۔انہوں نے بے شمار معرکوں میں دشمن کو ناکوں چنے چبوائے۔جب دشمن ان کا مقابلہ کرنے میں بے دست و پا ہوگیا،تو ان کے والد بزرگوار کو پیرانہ سالی میں اپنے ہی گھر پر گولیاں مار کر شہید کیا گیا۔دشمن کے اس بزدالانہ وار سے امتیاز عالم کے قدم تو نہیں ڈگمگائے،البتہ دشمن نے ان کے خلاف کرائے کے قاتلوں کی خدمات حاصل کیں اور پھر 20 فروری، 2023 کو راولپنڈی میں نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد انہیں گولیاں مار کر شہید کیا گیا

علم و عمل کا روشن مینار۔۔۔ ملک محمد عبداللہؒ

فاروق قیصر

کچھ لوگ دنیا میں صرف دنیاوی زندگی گزارنے کے لیے نہیں آتے بلکہ ان کے سامنے ایک مقصد حیات ہوتا ہے، جو ہمیشہ اپنے علم کی روشنی، عمل اور کردار سے معاشرے کی تاریکیوں کو اجالوں میں بدلتے مصروف نظر آتے ہیں، غرض ان کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ مٹی کا نمک اور پہاڑی کا چراغ ہیں جو ایک بلند مقام پر روشن ہوکر دوسروں کے لئے بھی روشنی کا سبب بنتے ہیں۔ ان ہی اوصاف کی حامل شخصیت ملک محمد عبداللہ تھے جو ابومسلم عبداللہ کے نام سے بھی معروف تھے۔ ایسا وفادار، مخلص رہنما اپنے مقصد کے ساتھ جڑا ہوا تحریک آزادی کے ساتھ مخلصانہ تعلق، جس کے اندر ایک حقیقی جذبہ تھا، کارواں حق کے لئے مینار نور تھا، ایک روشن چراغ تھا جو نئے عیسوی سال 2026 کی صبح لو پھوٹتے ہی گل ہوگیا۔ انسان کے جدا ہونے کے موقعہ پر فوری طور یا تو اس سے کی گئی پہلی ملاقات یاد آتی ہے یا آخری ملاقات۔ بس کچھ ایسا ہی ہوا، ان کی وفات کی خبر صبح نماز فجر کے ساتھ ہی ملی دل میں ایک غبار سا اٹھ گیا اور ان کی آخری ملاقات یاد آنے لگی اور دل ناتواں کو تڑپانے لگی۔ چند دن پہلے ان کی عیادت کے لئے ان کے دولت کدے پر دو اور ساتھیوں کے ہمراہ گئے تھے، جسمانی لحاظ سے کمزور دکھائی دے رہے تھے لیکن ان کی کمال وضع داری، نہ بھٹکنے والی یاداشت، حاضر دماغی نے حیرت میں ڈال دیا۔ ہم سب کو اپنے ناموں سے پکارا اور ہماری خیریت بھی دریافت کی

۔ ہم نے انہیں ہمیشہ مہمان نواز ہی پایا، بیماری کے عالم میں بھی وہ مہمان نوازی کے اداب نہیں بھولے، انہوں نے ہمارے سامنے میز پر ایک ٹرے میں فریش جوس سے بھرے گلاس اور دوسری ٹرے میں سیب کاٹ کے رکھوائے۔ ہم سیب کی قاشیں اٹھا اٹھا کر کھانے لگے تو انہوں نے نرم اور دھیمے لہجے میں مختصر سی گفتگو شروع کی اور اللہ تعالی کا شکر بجالا کر کہا" کہ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ ہم اس عظیم کارواں کا حصہ بنے، یہ اللہ کا ہم پر بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ ہم راہ حق کے مسافر ٹھہرے، یہ اللہ کا انعام و اکرام ہے جس نے ہم کمزور بندوں کو اپنے راستے کے لئے چن لیا، یہی راستہ حق کا راستہ ہے اور ہمیں اسی راستے پر چلتے رہنا ہے اور ہمیں اپنی تنظیم سے وابستہ رہنا چاہیے اور امر و اطاعت کا مظاہرہ ہر حال میں کرنا چاہئے اسی میں ہماری کامیابی و فلاح ہے۔ ہم نے بھی زیادہ دیر بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا اور عیادت کے اداب بجالا کر اس مختصر ملاقات کے بعد بہت سی دعائیں لے کر ہم ان سے رخصت ہوئے۔ اس ملاقات میں جو ادب کی لذت پائی اس سے دل کو فرط محسوس ہوئی۔ دیر تک ان کی باتیں ذہن میں گردش کر رہی تھیں کہ" تنظیم کے ساتھ جڑے رہنے کی تلقین اور نصیحت کی۔۔۔ تنہا ہوگئے تو اپنی بنیاد کھو جاؤ گے۔ ایسے ہی جیسے ایک قطرہ دریا سے نکل کر بے معنی ہو جاتا ہے۔ اس دن محسوس ہونے لگا تھا وہ جیسے آخری پیغام سنا رہے کہ یہ زندگی ساتھ دے نہ دے، اجل کا کیا پتا کہ پھر ملاقات ہو نہ ہو، اس لئے ان کے آخری الفاظ ایسے لگ رہے تھے جیسے ایک استاد اپنے شاگردوں کو آخری نصیحت کر رہا ہو اس لیے ان کی زبان سے نکلی ہر بات اور ہر لفظ دل کو چھو رہا تھا۔ واقعی یہی ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی اس کے چند دن

ان کی زندگی جہد مسلسل سے عبارت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ مٹی کا نمک اور پہاڑی کا چراغ ہیں جو ایک بلند مقام پر روشن ہوکر دوسروں کے لئے بھی روشنی کا سبب بنتے ہیں۔ ان ہی اوصاف کی حامل شخصیت ملک محمد عبداللہ تھے جو ابومسلم عبداللہ کے نام سے بھی معروف تھے۔ ایسا وفادار، مخلص رہنما اپنے مقصد کے ساتھ جڑا ہوا تحریک آزادی کے ساتھ مخلصانہ تعلق، جس کے اندر ایک حقیقی جذبہ تھا، کارواں حق کے لئے مینار نور تھا، ایک روشن چراغ تھا جو نئے عیسوی سال 2026 کی صبح لو پھوٹتے ہی گل ہوگیا۔

بعد ہی یہ عظیم ہستی اپنے رب کے حضور پیش ہوئی۔

ملک محمد عبداللہ نے 1952 میں مردم خیز علاقے ضلع بانڈی پورہ کے آلوسہ میں آنکھ کھولی جو ایک خوبصورت جھیل ولر کے کنارے واقع ہے۔ جماعت اسلامی کے آغوش میں تربیت پا کر آپ نے دعوت اسلامی کو اپنا شعار بنایا، جلد ہی آپ ایک علمی و نظریاتی شخصیت بن کر ابھر آئے، آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر جماعت نے آپ پر امیر جماعت سوپور کی بھاری ذمہ داری ڈال دی بعد ازاں آپ امیر ضلع بانڈی پورہ کے منصب پر فائز ہوئے، بھارتی عقوبت خانوں میں سنت یوسفی ادا کرتے ہوئے تمام صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کیں، رہائی پاتے ہی، جد وجہد آزادی کشمیر کے مختلف محاذوں پر زیادہ قوت کے ساتھ سرگرم رہے۔ 1990 میں آپ نے آزاد کشمیر کی طرف ہجرت کی اور یہاں میڈیا محاذ کے ساتھ وابستہ ہو کر آپ نے ”ریڈیو صدائے حریت“ کے ذریعے موثر طریقے سے مظلوم کشمیریوں کی توانا آواز بن کر اس آواز کو دنیا تک پہنچانے کا نہ صرف سبب بنے بلکہ ایک جابر دشمن کے پروپیگنڈے کا بھرپور جواب بھی دیا۔ انسانی قیادت کا راز حسن خطابت میں ہے، بات کا مطلب سمجھانے کا ڈھنگ آپ خوب جانتے تھے، زبان و بیان“ میں آپ کو ملکہ حاصل تھا یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ تھے، ان کی سیاسی بصیرت، دانا و بینا ہونے کی بنا پر امام سید علی شاہ گیلانی ؒ نے آپ کو آزاد کشمیر میں حریت کی نمائندگی سونپ دی کئی برس تک انہوں نے اپنی بساط اور اپنی استطاعت کے مطابق اپنی ذمہ داری کو نبھایا تو خوب نبھایا۔ اس عہدے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے پھر صحافتی، دینی اور قلمی محاذ پر کام کیا۔ آپ کی متعدد تصانیف منظر شہور پر آئیں جن میں ”حزب المجاہدین تحریک آزادی جموں و کشمیر کے افق پر“، جس کے دو ایڈیشن 2013، 2015 میں بالترتیب شائع ہوئے، ”کشمیر کہانی لہو کہانی“، ایک ایسا شہ پارہ ہے جو مزاحمتی ادب پر مشتمل یہ تصنیف مئی 2016 میں شائع ہوئی۔ اور ”فتنہ دجال اور نجات کا راستہ“ بھی ان کی شاہکار تصانیف میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے تحریر کردہ پمفلٹ جن میں 13 جولائی 1931 ” یوم شہدائے کشمیر“ کے حوالے سے ایک خصوصی پمفلٹ بھی شامل ہے سمیت درجنوں پمفلٹ مختلف اوقات میں شائع ہوتے رہے۔ یہ ان کا ایک ایسا نمایاں کردار ہے جو تاریخ کا ایک حصہ ہے اور تحریک کشمیر کا ایک قیمتی اثاثہ بھی ہے۔ وہ دہائیوں سے کشمیر کا کرب لکھتے رہے جو کشمیر الیوم کی زینت بنتا گیا۔ اپنا مضمون لکھ کر بھیجتے تھے، کبھی کبھار فون کر لیتے تھے کہ کشمیر الیوم کے لئے مضمون تیار ہے تھوڑی سی زحمت کر کے اسے ہمارے گھر سے حاصل کریں، ہمیں بھی ملاقات کی سعادت نصیب ہوتی تھی، ہم ان کا لکھا مضمون حاصل کرنے کے لئے صبح صبح ان کے گھر سے ہو آتے تو وہ ضرور نمکین چائے اور گھر کی بنی ہوئی چاولوں کی روٹیوں سے ہماری تواضع کرتے تھے۔ ان کے لکھے گئے مضامین کشمیر پوسٹ اور کشمیر الیوم کے علاوہ مختلف اخبارات میں بھی چھپتے تھے۔ ملک عبداللہ صاحب عزم و ہمت کے ہمالیہ تھے۔ جو ہر طوفان کے سامنے ڈٹے رہے، صبر و استقامت، تعلق باللہ کو ہتھیار بنایا، وہ ہوا کے رخ پر چلنے والے نہ تھے بلکہ ہواؤں کا رخ موڑنے کی اپنے اندر طاقت رکھتے تھے۔ وہ علم و تدبر کا بحر بے کراں تھے۔ جس نے اپنے علم و عمل سے سینکڑوں شاگردوں کی فکری بیداری کا سامان پیدا کیا۔ وہ ایک حق گو انسان تھے انہوں نے پوری زندگی تحریک آزادی کشمیر کے لیے فدا کی تھی۔ آخری سانس تک اسی اصول قائم رہے جو اصول اللہ نے ایک مرد مومن کے کامیابی کی ضمانت قرار دیا۔ ان کی پر عزم زندگی ایک ایسی لازوال داستان ہے جسے صدیوں بھلایا نہیں جاسکتا۔ انہوں اپنی زندگی اسلام کے اصولوں اور تنظیم کے ضابطوں کے مطابق گزاری، ان میں نمود نمایش کی بو تک نہیں سونگھی وہ ہمیشہ اس سے دور رہتے تھے انہوں نے ہمیشہ تنظیمی اصولوں اور ضابطوں کو اپنے مفادات پر ترجیح دی۔ ان کی فہم و فراست، شعور کی پختگی کی وجہ سے انہیں تنظیم میں ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا، وہ تنظیمی معاملات اور مسائل کو حل کرنے کے لئے دلائل سے بات کرتے تھے، جس کی وجہ سے تنظیم میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ملک محمد عبداللہ جیسے اشخاص رخصت نہیں ہوتے، وہ وقت کی دھندلکوں میں گم نہیں ہوتے بلکہ تاریخ کا سنہری باب بن کر ان کا نظریہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے، جسے پڑھ کر آنے والی نسلیں اپنا مستقبل سنوارتی ہیں۔

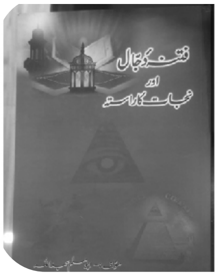

1990 میں آپ نے آزاد کشمیر کی طرف ہجرت کی اور یہاں میڈیا محاذ کے ساتھ وابستہ ہو کر آپ نے ”ریڈیو صدائے حریت“ کے ذریعے موثر طریقے سے مظلوم کشمیریوں کی توانا آواز بن کر اس آواز کو دنیا تک پہنچانے کا نہ صرف سبب بنے بلکہ ایک جابر دشمن کے پروپیگنڈے کا بھرپور جواب بھی دیا۔ انسانی قیادت کا راز حسن خطابت میں ہے، بات کا مطلب سمجھانے کا ڈھنگ آپ خوب جانتے تھے، ”زبان و بیان“ میں آپ کو ملکہ حاصل تھا یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ تھے

ملک عبداللہ۔ تحریک اسلامی کی معروف و متحرک شخصیت

اویس بلال

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یکم جنوری 2026ء کو سابقہ امیرِ تحصیل جماعت اسلامی بانڈی پورہ، مقبوضہ جموں وکشمیر کے ممتاز دینی، فکری اور حریت پسند رہنما ملک محمد عبداللہؒ طویل علالت کے بعد اس دارِفانی سے رخصت ہو گئے۔ ملک محمد عبداللہؒ، جو ابومسلم عبد اللہ کے نام سے بھی معروف تھے، تحریک آزادی کشمیر کے سرکردہ رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کئی کتب کے مصنف، تاریخِ کشمیر کے گہرے مطالعہ کار اور ریڈیو صدائے حریت جموں وکشمیر کے اولین براڈ کاسٹر اور بانیوں میں شامل تھے۔ تحریکِ آزادی کشمیر کے پیغام کو آواز، قلم اور فکر کے ذریعے دنیا تک پہنچانے میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

بھارتی ظلم وستم کے باعث تحریکِ آزادی کے اوائل ہی میں آپ نے ہجرت کر کے بیس کیمپ آزاد کشمیر کا رخ کیا۔ ایک پڑھے لکھے، خوشحال اور معزز گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود آپ نے سادہ زندگی اور جہدِ مسلسل کو اپنا شعار بنایا۔ صحافت کے ساتھ ساتھ مجاہدین کی تعلیم وتربیت، فکری رہنمائی اور تنظیمی ذمہ داریاں پوری دیانت اور استقامت سے انجام دیتے رہے۔ بیس کیمپ میں آپ نے کئی اہم ذمہ داریاں نبھائیں اور تحریکِ حریت جموں وکشمیر کے نمائندے کی حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دیں۔

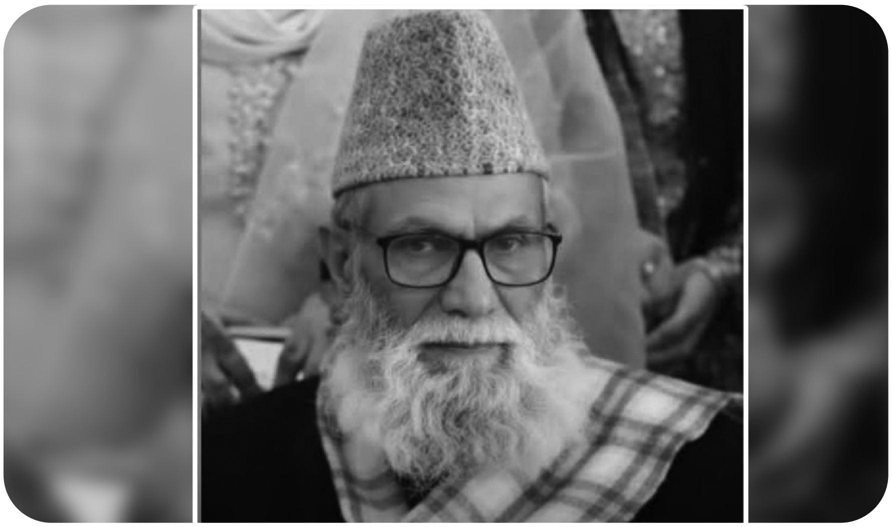

آپ کی شخصیت علم وحلم کا حسین امتزاج تھی۔ گفتگو میں گہرائی، دلائل میں قرآن وسنت کی روشنی، اور انداز میں وقار نمایاں تھا۔ دروسِ قرآن ہوں، فکری نشستیں ہوں یا مشاعرے آپ ہر محفل میں اپنے کلام، مدھر اور مانوس آواز اور مدلل فکر سے سامعین کے دل گرما دیتے تھے۔ نوجوان نسل میں تاریخِ کشمیر، تحریکِ اسلامی اور حریتِ فکر کی شمع روشن کرنے میں آپ کا کردار نمایاں رہا۔ مجھے ذاتی طور پر آپ سے کئی ملاقاتوں کا شرف حاصل رہا۔ جب بھی ملتے، خلوص اور پرتپاک انداز سے استقبال فرماتے۔ سنہ 2000ء میں مجھے آپ کے قریب رہ کر سیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے آپ کو ایک اہم ادارے میں تحریکِ آزادی کشمیر کے لیے ہمہ وقت مصروفِ عمل پایا، تحریر، تقریر اور نشریات کے ذریعے جدوجہد کرتے ہوئے۔

آپ کی شخصیت علم وحلم کا حسین امتزاج تھی۔ گفتگو میں گہرائی، دلائل میں قرآن وسنت کی روشنی، اور انداز میں وقار نمایاں تھا۔ دروسِ قرآن ہوں، فکری نشستیں ہوں یا مشاعرے آپ ہر محفل میں اپنے کلام، مدھر اور مانوس آواز اور مدلل فکر سے سامعین کے دل گرما دیتے تھے۔ نوجوان نسل میں تاریخِ کشمیر، تحریکِ اسلامی اور حریتِ فکر کی شمع روشن کرنے میں آپ کا کردار نمایاں رہا۔ مجھے ذاتی طور پر آپ سے کئی ملاقاتوں کا شرف حاصل رہا۔ جب بھی ملتے، خلوص اور پرتپاک انداز سے استقبال فرماتے۔ سنہ 2000ء میں مجھے آپ کے قریب رہ کر سیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے آپ کو ایک اہم ادارے میں تحریکِ آزادی کشمیر کے لیے ہمہ وقت مصروفِ عمل پایا، تحریر، تقریر اور نشریات کے ذریعے جدوجہد کرتے ہوئے۔

آپ خوش مزاج مگر سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے، خوبصورت اور شائستہ مزاح بھی کر لیتے تھے۔ فرض شناسی، نظم وضبط اور اخلاص آپ کی نمایاں صفات تھیں۔ بقول کمانڈر عمر جاوید صاحب " ملک محمد عبداللہ ابن مسلم نہایت ذہین، ہمہ وقت کارکن، تاریخ دان، مقرر اور خطیب تھے۔ جماعتِ اسلامی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور تحریکِ اسلامی کی معروف ومتحرک شخصیت تھے۔ ریڈیو صدائے حریت جموں وکشمیر میں آپ کے رفقائے کار، مرحوم سلیم ناز بریلویؒ اور مسعود احمد تانترےؒ کے ساتھ مل کر جو کردار ادا کیا، وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا"۔

ملک محمد عبداللہؒ کی زندگی جہدِ مسلسل کی عملی تفسیر تھی۔ موت کا جام تو ہر ذی روح نے پینا ہے، مگر یہ سعادت ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی کہ ایمان کی حالت میں، نماز کی پابندی کے ساتھ، ہجرت کی

زندگی میں رب سے جا ملے۔ آخری ایام میں بھی نماز کے اشارے، ہاتھ باندھنا اور ہاتھ اٹھانا بھی یہ مناظر آپ کے ایمان کی گواہی دیتے ہیں۔آپ کی نمازِ جنازہ بعد از نمازِ عصر اسلام آباد میں ادا کی گئی، جس میں ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اس موقع پر کل جماعتی حریت کانفرنس آزاد جموں وکشمیر کے کنوینئر غلام محمد صفی اور متحدہ جہاد کونسل کے چیئرمین و امیرِ حزب المجاہدین سید صلاح الدین احمد نے آپ کی دینی، فکری اور تحریکِ آزادی کشمیر کے لیے گراں قدر خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا” ایک چراغ بجھ گیا، مگر اس کی روشنی دیر تک راہ دکھاتی رہے گی"

اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے، ان کی تمام خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اور ہمیں بھی ایمان پر خاتمہ نصیب کرے۔اللہ تعالیٰ تمام شہدائے جموں وکشمیر اور اس عظیم جدوجہد میں حصہ لینے والوں کی قربانیوں کو قبول فرمائے۔آمین یارب العالمین۔۔ریڈیو صدائے حریت جموں و کشمیر تحریک آزادی کشمیر کے صوتی محاذ کا ایک درخشاں اور فیصلہ کن مرکز رہا ہے اس اہم ادارے سے وابستہ وہ چار نابغہ روزگار شخصیات شاعر سلیم ناز بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، شہید کمانڈر مسعود احمد تانترے ؒ اور شہید کمانڈر ضیاء الرحمن اور ملک محمد عبداللہ عرف ابن مسلم ایسی قیمتی ہستیاں تھیں جنہوں نے اس محاذ کو بحسن وخوبی سنبھالا بلکہ چار چاند لگا دیئیے۔۔ریڈیو صدائے حریت جموں و کشمیر کے تمام ساتھی، شاگرد اور دوست آج متفقہ طور پر انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ۔ : کہاں سے لائیں ہم ایسے ہیروں کو؟ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے قلم کو شمشیر، زبان کو اذاں اور آواز کو اعلان حق بنا دیا۔قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔”یعنی اس شخص سے بہتر بات کس کی ہو سکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے ، یہ چاروں عظیم ہستیاں اس آیت مبارکہ کی عملی تفسیر تھیں۔انہوں نے اپنے قلم، اپنی زبان اور اپنے کردار کے ذریعے کشمیری اور افغان مجاہدین کے دلوں میں عزم ،حوصلہ اور استقامت کی شمع روشن کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ”سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے“ ریڈیو صدائے حریت جموں وکشمیر انہی نفوسِ قدسیہ کی بدولت، جہاد باللسان، جہاد بالقلم اور جہاد بالقتال کا عملی مظہر بنا۔ ان کی آواز جیلوں کی تاریکیوں سے لے کر میدان کارزار تک گونجتی رہی۔ اسی صدا کو سن کر بے شمار نوجوانوں نے راہ جہاد اختیار کی اور سینکڑوں مجاہدین نے شہادت کے عظیم مرتبے کو پالیا۔شہید کمانڈر مسعود احمد تانترے ؒ اور کمانڈر ضیاء الرحمن شہید نے اپنی تحریروں اور آواز کے بعد اپنے خون سے تاریخ کشمیر پر حق کی مہر ثبت کی۔قرآن کریم میں شہداء کے بارے میں فرمایا گیا ۔”جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں“۔

ان عظیم ہستیوں کے لئے چند اشعار بطورِ خراجِ عقیدت : یہ چراغ راہ وفا تھے، یہ چراغ بجھے نہیں ۔۔۔۔ لہو نے لکھ دی تاریخ، صدا کبھی رکے نہیں۔قلم ان کا مجاہد، زبان تھی شمشیر۔جو بول اٹھے تو لرزے، ستم گروں کے ضمیر۔۔ کہاں سے لائیں ہم، ایسے وفا شناس لوگ ۔۔جو مر کے بھی بنے رہیں قوم کے خاص لوگ۔

اللہ تعالیٰ ان چاروں عظیم شخصیات کی مساعی جمیلہ، قربانیوں اور جدوجہد کو شرف قبولیت عطا فرمائے ، ان کے درجات بلند کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے آمین یارب العالمین۔

ریڈیو صدائے حریت جموں وکشمیر تحریک آزادی کشمیر کے صوتی محاذ کا ایک درخشاں اور فیصلہ کن مرکز رہا ہے اس اہم ادارے سے وابستہ وہ چار نابغہ روزگار شخصیات شاعر سلیم ناز بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، شہید کمانڈر مسعود احمد تانترے ؒ اور شہید کمانڈر ضیاء الرحمن اور ملک محمد عبداللہ عرف ابن مسلم ایسی قیمتی ہستیاں تھیں جنہوں نے اس محاذ کو بحسن وخوبی سنبھالا بلکہ چار چاند لگا دیئیے ۔۔ریڈیو صدائے حریت جموں وکشمیر کے تمام ساتھی ، شاگرد اور دوست آج متفقہ طور پر انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں کہ۔ : کہاں سے لائیں ہم ایسے ہیروں کو؟

انتقال پُر ملال ماہ جنوری 2026

اشتیاق احمد زینہ گیر کی والدہ محترمہ مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئیں ہیں O محمد رضاء پلوامہ کے والدمحترم مقبوضہ کشمیر میں وفات پاگئے ہیں O جمیل احمد قریشی بارہمولہ کے والد محترم مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئے ہیں O ذیشان بھائی ڈوڈہ راولپنڈی میں انتقال کر گئے O محترم غلام محی الدین (کا کالولابی) مظفر آباد میں وفات پا گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔۔آمین

قارئین سے گزارش ہے کہ مرحومین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

مقبول، افضل، امتیاز ۔ نام تین، مگر خواب ایک

یہاں نہ صرف جسم قید ہیں، بلکہ روحیں قید ہیں، خواب قید ہیں

امیدیں قید ہیں، آوازیں قید ہیں، سانسیں قید ہیں

مقبول بٹ شہید، افضل گورو اور امتیاز عالم شہید، یہ تین نام ہماری تاریخ کے وہ چراغ ہیں جن کی روشنی میں ہمیں اپنا راستہ تلاش کرنا ہے

سید عمر اویس گردیزی

فروری...... ریاست جموں وکشمیر میں محض ایک مہینہ ہی نہیں ہوتا، ایک زخم ہوتا ہے، ایسا زخم جو کیلنڈر پر نہیں، وادی کے سینے پر کھلتا ہے۔ یہ وہ موسم ہے جس میں ہوا سرد نہیں، مجرم ہو جاتی ہے، جس میں برف سفید نہیں، کفن بن جاتی ہے، اور جس میں خاموشی عبادت نہیں، اجتماعی تدفین کا اعلان ہوتی ہے۔ اس مہینے سورج بھی طلوع نہیں ہوتا، کسی عدالتی فیصلے کی طرح نافذ ہوتا ہے، اور شام کسی غروب کا نام نہیں رہتی، بلکہ کسی بے نام قبر کی پہلی اینٹ بن جاتی ہے۔ یہاں رات صرف اندھیرا نہیں ہوتی، ریاستی ارادے کی توسیع ہوتی ہے؛ یہاں سناٹا سکون نہیں، خوف کا نظم ہوتا ہے؛ یہاں گلیاں راستے نہیں، احتمالی جنازوں کی تمہید ہوتی ہیں؛ اور یہاں دروازے لکڑی کے نہیں، تقدیر کے ہوتے ہیں، جو بند ہوں تو عمر کھلنے کا نام نہیں لیتی۔ اس سرزمین پر سانس لینا بھی کسی غیر تحریری قانون کے ماتحت ہے، اور جینا ایک ایسی اجازت کا نام ہے جو ہر صبح ازسرِ نو منسوخ ہو جاتی ہے۔ یہ وہ جغرافیہ ہے جہاں موسم نہیں بدلتے، صرف قبریں بدلتی ہیں؛ جہاں بہار نہیں آتی، صرف وردیاں آتی ہیں؛ جہاں پھول نہیں کھلتے، صرف فائلیں کھلتی ہیں؛ اور جہاں اذانیں نہیں گونجتیں، صرف سائرن گونجتے ہیں۔ یہاں خواب آنکھوں میں نہیں اگتے، دیواروں پر لکھے جاتے ہیں، اور امید چراغ نہیں ہوتی، موم کی طرح پگھلتی رہتی ہے، حتیٰ کہ ہاتھ جل جائیں اور روشنی پھر بھی نصیب نہ ہو۔ ماہ فروری کا یہ مہینہ کشمیر کے لیے کیلنڈر کا عام صفحہ نہیں، یہ لہو سے تر تاریخ کا وہ باب ہے جس کے ہر لفظ پر شہادت کی مہر ثبت ہے، جس کے ہر دن پر درد کی سیاہی سے آزادی کی تحریر لکھی گئی ہے۔ یہ مہینہ صرف موسموں کی تبدیلی کا نام نہیں، یہ وہ موسم ہے جس میں برف کے سفید کفن اوڑھے پہاڑوں کے درمیان، ماں کی گودیں اجڑتی ہیں، بہنوں کے سروں سے بھائیوں کا سایہ اٹھتا ہے، اور ماؤں کی آنکھوں میں

> **ماہ فروری کا یہ مہینہ کشمیر کے لیے کیلنڈر کا عام صفحہ نہیں، یہ لہو سے تر تاریخ کا وہ باب ہے جس کے ہر لفظ پر شہادت کی مہر ثبت ہے، جس کے ہر دن پر درد کی سیاہی سے آزادی کی تحریر لکھی گئی ہے۔ یہ مہینہ صرف موسموں کی تبدیلی کا نام نہیں، یہ وہ موسم ہے جس میں برف کے سفید کفن اوڑھے پہاڑوں کے درمیان، ماں کی گودیں اجڑتی ہیں، بہنوں کے سروں سے بھائیوں کا سایہ اٹھتا ہے، اور ماؤں کی آنکھوں میں ایسے آنسو جم جاتے ہیں جن کی حرارت سے پتھر بھی پگھل جائیں۔ یہ مہینہ مقبول بٹ شہید کا ہے، یہ مہینہ افضل گورو کا ہے، یہ مہینہ امتیاز عالم شہید کا ہے، تین نام، تین زندگیاں، تین قربانیاں، مگر ایک ہی خواب : آزادی، عزت، حق خودداری اور غلامی سے نجات**

ایسے آنسو جم جاتے ہیں جن کی حرارت سے پتھر بھی پگھل جائیں۔ یہ مہینہ مقبول بٹ شہید کا ہے، یہ مہینہ افضل گورو کا ہے، یہ مہینہ امتیاز عالم شہید کا ہے، تین نام، تین زندگیاں، تین قربانیاں، مگر ایک ہی خواب : آزادی، عزت، حق خود داری اور غلامی سے نجات۔ یہ وہ نام نہیں جو تاریخ کی کسی کتاب کے فہرستِ مضامین میں دفن ہو جائیں، یہ وہ نام ہیں جو کشمیری ماؤں کے دلوں پر کندہ ہیں، جو بچوں کے سوالوں میں زندہ ہیں، جو نوجوانوں کے خوابوں میں دہکتے شعلوں کی طرح سلگتے ہیں، جو بزرگوں کی لرزتی ہوئی آوازوں میں سسکتی ہوئی داستان بن کر زندہ ہیں۔ یہ وہ نام ہیں جو جب بھی لیے جائیں، تو الفاظ کانپنے لگتے ہیں، سانسیں بھاری ہو جاتی ہیں، آنکھیں نم ہو جاتی ہیں، اور دل یوں لگتا ہے جیسے کسی نے سینے میں دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا ہو۔ یہ تاریخیں تقویم کی لکیر نہیں، یہ کشمیر کی شہ رگ پر لگے وہ زخم ہیں جن سے آج بھی لہو رس رہا ہے، جن پر آج بھی مرہم نہیں رکھا گیا، جن پر آج بھی انصاف کی کوئی روشنی نہیں پڑی۔

نو فروری کو افضل گورو شہید، گیارہ فروری کو مقبول بٹ شہید، اور بیس فروری کو امتیاز عالم شہید، تینوں کو دن دہاڑے قتل کیا گیا، پھانسی دیدی گئی، تینوں کو عدالتوں، آئینوں، ضمیروں اور انسانیت کے منہ پر طمانچے مار کر شہید کیا گیا، اور تینوں کو اس جرم کی سزا دی گئی جو دنیا کی ہر زندہ قوم کا سب سے بڑا حق ہے۔ آزادی کا حق۔ یہ مضمون کسی رسمی تعزیتی کالم کا نام نہیں، یہ وہ نوحہ ہے جو کشمیر کی وادیوں میں بہتے لہو کی آواز سے جنم لیتا ہے، یہ وہ چیخ ہے جو تہاڑ جیل کی سلاخوں سے ٹکرا کر گونجتی ہے، یہ وہ فریاد ہے جو مقبوضہ کشمیر کے قبرستانوں میں دفن لاشوں کے سینوں سے اٹھ کر آسمان کو چیرتی ہے، یہ وہ سوال ہے جو اقوامِ عالم کے ایوانوں میں بیٹھے ضمیروں سے پوچھتا ہے۔۔۔ آخر کب تک؟ کب تک کشمیریوں کو یوں ہی مارا جائے گا؟ کب تک ان کے بچوں کے ہاتھوں میں کھلونے نہیں کفن ہوں گے؟ کب تک ان کے گھروں کے دروازوں پر دستک نہیں، گولیوں کی آواز آئے گی؟ کب تک ان کی ماؤں کی دعائیں بیٹوں کو زندہ واپس نہیں، لاشوں کی صورت میں لوٹائیں گی؟ مقبول بٹ شہید، جو تختہ دار پر بھی آزادی کا پرچم لہرا گیا، یہ نام سنو تو لگتا ہے جیسے تاریخ کے کسی طوفانی باب کا آغاز ہو رہا ہو۔ یہ وہ شخص تھا جس نے غلامی کی زنجیروں کو صرف توڑنے کا خواب نہیں دیکھا، بلکہ انہیں اپنے لہو سے کاٹ کر دکھایا۔ وہ شخص جس کے لیے زندگی کا مطلب سانس لینا نہیں، بلکہ آزادی کی سانس لینا تھا، اور موت کا مطلب قبر میں اترنا نہیں، بلکہ قوم کو بیدار کرنا تھا۔ وہ شخص جس نے قید خانوں کو بھی تحریک کے مدرسے بنا دیا، جس نے سولی کے پھندے کو بھی احتجاج کی رسی بنا دیا، اور جس نے موت کے دہانے پر کھڑے ہو کر بھی زندگی کو جھکا لیا۔ مقبول بٹ کا بچپن برفانی وادیوں میں آنکھیں کھولتا ہے، جہاں فضا میں سکون کے ساتھ ساتھ غلامی کی خاموش چیخ بھی شامل تھی۔ وہ چیخ جو شاید ہر کشمیری بچے کے کانوں میں ماں کی لوریوں کے ساتھ گھل کر داخل ہوتی ہے، اور دل کے کسی کونے میں ہمیشہ کے لیے جا بیٹھتی ہے۔ مقبول بٹ نے وہ چیخ سنی، مگر اسے دبایا نہیں، اسے لفظ دیا، اسے زبان دی، اسے نعرہ بنایا، اور پھر اسے تحریک بنا دیا۔ وہ عام نوجوان نہیں تھا، وہ سوال تھا، وہ احتجاج تھا، وہ انکار تھا، غلامی کے انکار کا نام۔ بھارت نے مقبول بٹ کو جرمِ آزادی کی سزا دی۔ عدالتوں میں وہ مقدمہ نہیں چلا، بلکہ کشمیری قوم کے حق خودارادیت کو کٹہرے میں کھڑا کیا گیا۔ ثبوت نہیں تھے، انصاف نہیں تھا، ضمیر نہیں تھا، تھا تو صرف خوف، تھا تو صرف انتقام، تھا تو صرف یہ خواہش کہ ایک باغی آواز کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے۔ مگر تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ جو آوازیں پھانسی گھاٹ پر خاموش کی جاتی ہیں، وہ قبروں سے گونجنے لگتی ہیں، اور جو جسم سولی پر جھولتے ہیں، وہ قوموں کے ضمیر میں سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ 11 فروری...1984 یہ دن کشمیر کی تاریخ میں سیاہ حاشیے سے نہیں، سرخ حروف سے لکھا جانا چاہیے۔ یہ وہ دن تھا جب مقبول بٹ کو تختہ دار پر چڑھا دیا گیا، مگر سچ یہ ہے کہ اس دن تختہ دار پر مقبول بٹ نہیں تھا، اس دن تختہ دار پر بھارت کا انصاف تھا، بھارت کا ضمیر تھا، بھارت کا دعویٰ تھا کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ کیونکہ جس دن ایک قوم کے بیٹے کو آزادی مانگنے کے جرم میں پھانسی دے دی جائے، اس دن پھانسی صرف ایک جسم کو نہیں، پورے نظام کو دی جاتی ہے۔ مقبول بٹ کو پھانسی دے کر اس کی لاش بھی ورثا کے حوالے نہ کی گئی۔ یہ ظلم کی وہ انتہا تھی جس میں موت بھی مکمل نہیں ہونے دی گئی۔ اس کی قبر بھی قید کر لی گئی، اس کی لاش بھی قید کر لی گئی، گویا بھارت یہ چاہتا تھا کہ مقبول بٹ کا وجود بھی قید رہے، اس کی یاد بھی قید رہے، اس کی داستان بھی قید رہے۔ مگر تاریخ نے دیکھا کہ لاشیں قید ہو سکتی ہیں، یادیں نہیں۔ قبریں بند ہو سکتی ہیں، نظریات نہیں۔ جسم دفن کیے جا سکتے ہیں، خواب نہیں۔ مقبول بٹ شہید نے موت کو شکست دی، کیونکہ وہ مر کر بھی زندہ رہا، وہ خاموش ہو کر بھی بولتا رہا، وہ دفن ہو کر بھی اٹھتا رہا۔ آج بھی کشمیر کی وادیوں میں جب کوئی نوجوان آزادی کا نعرہ لگاتا ہے، تو اس نعرے میں مقبول بٹ کی سانس شامل

> **آج یٰسین ملک تہاڑ جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے، مگر اب این آئی اے کی جانب سے اس سزا کو موت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ محض ایک قانونی کارروائی نہیں، یہ کشمیر کی امن پسند جدوجہد پر براہِ راست حملہ ہے، یہ اس سوچ کو سزا دینے کی کوشش ہے کہ کشمیری بندوق کے بغیر بھی اپنے حق کی بات کر سکتے ہیں، یہ اس امید کو کچلنے کی کوشش ہے کہ سیاسی جدوجہد سے بھی آزادی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر یٰسین ملک کو موت کی سزا دی گئی، تو یہ صرف ایک فرد کی موت نہیں ہوگی، یہ امن کے تصور کی موت ہوگی، یہ مذاکرات کے امکان کی موت ہوگی، یہ سیاسی حل کی امید کی موت ہوگی**

ہوتی ہے۔ جب کوئی ماں اپنے بیٹے کو ظالم کے سامنے جھکنے سے روکتی ہے، تو اس کی زبان پر مقبول بٹ کا حوصلہ ہوتا ہے۔ جب کوئی قیدی تہاڑ یا کسی اور جیل کی اندھی کوٹھڑی میں دیواروں سے سر ٹکرا کر بھی ہمت نہیں ہارتا، تو اس کے دل میں مقبول بٹ کا عکس ہوتا ہے۔ مقبول بٹ نے ہمیں یہ سکھایا کہ آزادی کوئی خیرات نہیں، یہ قرض ہے جو قومیں اپنے لہو سے ادا کرتی ہیں۔ اس نے ہمیں بتایا کہ ظلم کے سامنے خاموش رہنا بھی جرم ہے، اور جرم کے سامنے خاموش رہنا اس سے بھی بڑا جرم ہے۔ اس نے ہمیں یہ درس دیا کہ زندگی کا مقصد صرف جینا نہیں، بلکہ سر اٹھا کر جینا ہے، اور اگر سر اٹھا کر جینے کی قیمت موت ہو، تو وہ موت بھی زندگی سے بڑی ہوتی ہے۔

افضل گورو شہید : جسے عدالت نہیں، سیاست نے پھانسی دی، جی ہاں شہید کشمیر افضل گورو، یہ نام سنو تو دل میں عجیب سی ٹیس اٹھتی ہے، جیسے کسی نے زخم پر نمک چھڑک دیا ہو، مگر ساتھ ہی ایک عجیب سا فخر بھی محسوس ہوتا ہے، جیسے کسی نے سینے پر تمغہ رکھ دیا ہو۔ افضل گورو وہ شخص تھا جسے بھارت نے نہ صرف پھانسی دی، بلکہ اس سے پہلے اس کی انسانیت کو قتل کیا، اس کے حق دفاع کو قتل کیا، اس کے حق سماعت کو قتل کیا، اس کے حق انصاف کو قتل کیا، اور پھر بڑے اطمینان سے اس کے جسم کو بھی قتل کر دیا۔ مگر جس چیز کو وہ قتل نہ کر سکے، وہ تھا اس کا نام، اس کا درد، اس کی داستان، اور اس کی مظلومیت کی گونج۔ شہید افضل گورو کو 9 فروری 2013 کو دہلی کی تہاڑ جیل میں پھانسی دی گئی۔ مگر اس پھانسی سے پہلے جو کچھ ہوا، وہ ایک فرد کا مقدمہ نہیں تھا، وہ پوری کشمیری قوم کے خلاف ایک عدالتی ڈرامہ تھا۔ ایک ایسا مقدمہ جس میں ثبوت کم اور دباؤ زیادہ تھا، جس میں قانون کم اور سیاست زیادہ تھی، جس میں انصاف کم اور انتقام زیادہ تھا۔ خود بھارت کی سپریم کورٹ نے تسلیم کیا کہ افضل گورو کے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں، مگر یہ کہہ کر بھی اسے پھانسی دے دی گئی کہ "قوم کے اجتماعی ضمیر کو مطمئن کرنا ضروری ہے"۔ یہ وہ جملہ تھا جس نے بھارتی عدلیہ کی تاریخ پر ایسا دھبہ لگا دیا جسے شاید صدیوں کی بارشیں بھی نہ دھو سکیں۔ آخر انصاف کب سے ہجوم کے ضمیر پر چلنے لگا؟ کب سے عدالتیں ثبوتوں کے بجائے جذبات پر فیصلے دینے لگیں؟ کب سے زندگی اور موت کے فیصلے قانون کے بجائے سیاست کے اشاروں پر ہونے لگے؟ اگر انصاف کا معیار یہ ہے کہ ہجوم کو مطمئن کیا جائے، تو پھر دنیا کی ہر عدالت کو بند کر دینا چاہیے، اور ہر چوک میں دار نصب کر دینی چاہیے، جہاں لوگ اپنی نفرتوں کے مطابق فیصلے سنائیں، اور زندگیاں یوں ہی جھولتی رہیں۔ شہید افضل گورو کی پھانسی بھی چھپ کر دی گئی، اندھیرے میں دی گئی، خفیہ طور پر دی گئی، اور پھر اس کی لاش بھی ورثا کے حوالے نہ کی گئی۔ یہ وہ عمل تھا جس نے اس پھانسی کو قتل بنا دیا، اور اس قتل کو ریاستی دہشت گردی کا عنوان دے دیا۔ کیونکہ جو ریاست اپنے شہری کو بغیر انصاف کے مارے، اور پھر اس کی لاش بھی اس کے خاندان کو نہ دے، وہ ریاست نہیں، جلاد بن جاتی ہے۔ افضل گورو شہید کی بیوی، اس کے بچے، اس کی ماں... ان سب کے لیے 9 فروری صرف ایک دن نہیں، یہ ایک عمر کا زخم ہے، ایک نہ بھرنے والا گھاؤ ہے، ایک نہ بجھنے والی آگ ہے۔ افضل گورو کا جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ وہ کشمیری تھا، صرف یہ کہ وہ اس سرزمین سے محبت کرتا تھا جس پر اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا، صرف یہ کہ وہ اس دھرتی کو آزاد دیکھنا چاہتا تھا جس پر اس کے باپ کی قبریں تھیں، صرف یہ کہ وہ اس وادی میں سانس لینا چاہتا تھا جس کی ہوا میں اس کے بچپن کی خوشبو تھی۔ اگر یہ جرم ہے، تو پھر کشمیر کا ہر بچہ مجرم ہے، ہر ماں مجرم ہے، ہر بزرگ مجرم ہے، ہر درخت مجرم ہے، ہر پتھر مجرم ہے، کیونکہ سب کے دل میں یہی خواہش دھڑکتی ہے : آزادی۔

اب بات کرتے ہیں امتیاز عالم شہید کی، جسے گولیوں نے خاموش کیا، مگر آواز نہ چھین سکیں، جی ہاں امتیاز عالم شہید... یہ نام شاید عالمی میڈیا کی سرخیوں میں زیادہ نہ آیا ہو، شاید عالمی اداروں کی رپورٹوں میں بڑے فونٹس میں نہ لکھا گیا ہو، شاید اقوام متحدہ کے ایوانوں میں اس پر قرارداد یں نہ پاس ہوئیں ہوں، مگر کشمیر کی گلیوں میں، کشمیر کے گھروں میں، کشمیر کے دلوں میں، یہ نام آج بھی یوں زندہ ہے جیسے کوئی تازہ زخم، جیسے کوئی جلتا ہوا انگارہ، جیسے کوئی نہ بجھنے والی شمع۔ 20 فروری 2023 وہ دن ہے جب تحریکی رہنما امتیاز عالم کو دن دہاڑے گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا گیا۔ موٹر سائیکل سوار قاتل آئے، گولیاں برسائیں، اور چلے گئے، جیسے یہ کوئی معمول کا واقعہ ہو، جیسے یہ کوئی حادثہ ہو، جیسے یہ کوئی خبر ہو جو اگلے دن کے اخبار میں کسی کونے میں دب جائے۔ مگر سچ یہ ہے کہ یہ کوئی معمول کا قتل نہیں تھا، یہ ایک پیغام تھا، یہ ایک دھمکی تھی، یہ ایک اعلان تھا کہ مقبوضہ کشمیر میں آزادی کی بات کرنے والوں کے لیے زمین تنگ کر دی گئی ہے، ان کے لیے آسمان چھین لیا گیا ہے، ان کے لیے سانس لینا بھی جرم بنا دیا گیا ہے۔ سوال ہے کہ آخر امتیاز عالم کا جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ وہ حق کی بات کرتا تھا، صرف یہ کہ وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا تھا، صرف یہ کہ وہ کشمیری عوام کے دکھ درد کو زبان دیتا تھا، صرف یہ کہ وہ ان کے زخموں پر مرہم رکھنا چاہتا تھا، صرف یہ کہ وہ انہیں یہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ وہ اکیلے نہیں ہیں، کہ ان کے ساتھ کوئی ہے، کہ ان کی جدوجہد بے معنی نہیں، کہ ان کا لہو رائیگاں نہیں جائے گا۔ یہی جرم اسے مہنگا پڑا، اور یہی جرم اسے شہادت تک لے گیا۔ تحقیق یہ بتاتی ہے کہ امتیاز عالم کو "را" کے ایجنٹوں نے نشانہ بنایا۔ یہ کوئی اچانک واردات نہیں تھی، یہ کوئی اتفاق نہیں تھا، یہ کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی، یہ ایک منظم منصوبہ تھا، ایک سوچا سمجھا قتل تھا، ایک سیاسی پیغام تھا۔ کیونکہ جو ریاست اپنے مخالفین کو دلیل سے نہیں ہرا سکتی، وہ انہیں گولی سے خاموش کرتی ہے۔ جو حکومت سوالوں کا جواب نہیں دے سکتی، وہ سوال کرنے والوں کو مار دیتی ہے۔ جو نظام انصاف فراہم نہیں کر سکتا، وہ انصاف مانگنے والوں کو قبرستان بھیج دیتا ہے۔ امتیاز عالم شہید کے والد کو بھی قابض بھارتی فوج نے شہید کیا تھا۔ یہ المیہ صرف ایک فرد کا نہیں، یہ ایک خاندان کا نہیں، یہ ایک نسل کا نہیں، یہ پوری کشمیری قوم کا المیہ ہے۔ ایک باپ شہید، پھر بھائی شہید، پھر بیٹا شہید، یہ محض اتفاق نہیں، یہ ظلم کی وہ تسلسل ہے جو نسل در نسل منتقل کیا جا رہا ہے، تاکہ کشمیریوں کو یہ باور کرایا جائے کہ آزادی کا خواب دیکھنا بھی جرم ہے، اور اس جرم کی سزا موت ہے۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ جو قومیں اپنے شہیدوں کی قبروں سے ڈر جائیں، وہ زندہ نہیں رہتیں، اور جو قومیں اپنے شہیدوں کی قبروں سے حوصلہ پاتی ہیں، وہ کبھی مرتی نہیں۔

جموں کشمیر لبریشن فرنٹ کے چیئرمین محمد یٰسین ملک بھی آج تہاڑ

جیل کی دیواروں سے ٹکراتی ہوئی ایک زندہ چیخ بن چکے ہیں جو عالمی دنیا، پاکستان، اہلیانِ آزاد کشمیر کے ضمیر پر دستک دینے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ یٰسین ملک... یہ نام کشمیر کی جدوجہدِ آزادی کا وہ استعارہ ہے جس میں حوصلہ بھی ہے، درد بھی ہے، امید بھی ہے، اور قربانی بھی ہے۔ وہ شخص جس نے بندوق کے بجائے دلیل کو چنا، جس نے تشدد کے بجائے سیاست کو چنا، جس نے نفرت کے بجائے امن کو چنا، جس نے موت کے بجائے زندگی کو چنا، اور پھر بھی اسے وہی سزا دی جا رہی ہے جو جنگجوؤں کو دی جاتی ہے، وہی سلوک کیا جا رہا ہے جو دہشت گردوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ انصاف نہیں، یہ انتقام ہے، یہ قانون نہیں، یہ ظلم ہے، یہ عدل نہیں، یہ جبر ہے۔ آج یٰسین ملک تہاڑ جیل میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے، مگر اب این آئی اے کی جانب سے اس سزا کو موت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ محض ایک قانونی کارروائی نہیں، یہ کشمیر کی امن پسند جدوجہد پر براہِ راست حملہ ہے، یہ اس سوچ کو سزا دینے کی کوشش ہے کہ کشمیری بندوق کے بغیر بھی اپنے حق کی بات کر سکتے ہیں، یہ اس امید کو کچلنے کی کوشش ہے کہ سیاسی جدوجہد سے بھی آزادی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر یٰسین ملک کو موت کی سزا دی گئی، تو یہ صرف ایک فرد کی موت نہیں ہوگی، یہ امن کے تصور کی موت ہو گی، یہ مذاکرات کے امکان کی موت ہو گی، یہ سیاسی حل کی امید کی موت ہو گی۔ عالمی برادری کہاں ہے؟ انسانی حقوق کی تنظیمیں کہاں ہیں؟ اقوامِ متحدہ کے ایوانوں میں بیٹھے ہوئے ضمیر کہاں سو رہے ہیں؟ کیا انہیں کشمیر کی وادیوں میں بہتا ہوا لہو نظر نہیں آتا؟ کیا انہیں تہاڑ جیل کی سلاخوں کے پیچھے تڑپتی ہوئی انسانیت کی چیخیں سنائی نہیں دیتیں؟ یٰسین ملک صرف یہ چاہتے ہیں کہ کشمیری پرامن جدوجہد چاہتے ہیں، وہ بات چیت چاہتے ہیں، وہ انصاف چاہتے ہیں، وہ حق چاہتے ہیں، وہ عزت چاہتے ہیں، وہ خودداری، خودمختاری چاہتے ہیں، مگر بھارت سفاکیت کی ہر حد چھو رہا ہے

اب اہم سوال یہ بھی ہے کہ اڑھائی مرلے کی آزاد فضاؤں میں تحریک آزادی کشمیر کے بیس کیمپ کی صورت میں بنائی گئی آزاد کشمیر کی قیادت، کب تک خاموشی کی چادر اوڑھے رکھے گی؟ یٰسین ملک کی سزا پر آزاد کشمیر کی قیادت کی پراسرار خاموشی ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب ہر کشمیری ماں مانگ رہی ہے، ہر کشمیری نوجوان مانگ رہا ہے، ہر کشمیری شہید کی قبر مانگ رہی ہے۔ کب تک بیانات کی سیاست چلے گی؟ کب تک قراردادوں کی رسم ادا کی جاتی رہے گی؟ کب تک مذمتی بیانات کی فائلیں بھرتی رہیں گی؟ کب تک اخباری بیانات، پریس کانفرنسیں، سیمینارز اور ریلیاں ہی ہماری جدوجہد کا حاصل رہیں گی؟ اگر واقعی کشمیر کا درد ہمارے دل میں ہے، تو پھر ہم عالمی عدالتِ انصاف کیوں نہیں گئے؟ ہم اقوام متحدہ کے دروازے کیوں نہیں کھٹکھٹاتے؟ ہم عالمی میڈیا کو کیوں نہیں کشمیر لے جاتے؟ ہم عالمی فورمز پر بھارت کے جرائم کی دستاویزی شہادتیں کیوں نہیں پیش کرتے؟ ہم عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لیے کیوں وہ زبان نہیں بولتے جو ظالم سمجھ سکے؟

ہر سال 5 فروری کو یومِ یکجہتی کشمیر منایا جاتا ہے۔ تقریریں ہوتی ہیں، سیمینارز ہوتے ہیں، کانفرنسز ہوتی ہیں، ریلیاں نکلتی ہیں، انسانی ہاتھوں کی زنجیریں بنتی ہیں، اخبارات میں مضامین شائع ہوتے ہیں، ٹی وی پر پروگرام چلتے ہیں، اور پھر اگلے دن سب کچھ معمول پر آ جاتا ہے، جیسے کشمیر کا درد صرف ایک دن کے لیے ہوتا ہو، جیسے کشمیریوں کی لاشیں صرف ایک دن کے لیے گرتی ہوں، جیسے ماؤں کی چیخیں صرف ایک دن کے لیے آسمان کو چیرتی ہوں۔ آخر کیوں ہم نے یکجہتی کو رسم بنا دیا ہے؟ آخر کیوں ہم نے حمایت کو فوٹو سیشن بنا دیا ہے؟ آخر کیوں ہم نے جدوجہد کو تقریر بنا دیا ہے؟ آخر کیوں ہم نے درد کو نعرہ بنا دیا ہے؟ آخر کیوں ہم نے شہادت کو خبر بنا دیا ہے؟ اگر واقعی ہمیں کشمیر سے محبت ہے، تو پھر ہمیں رسمی کارروائیوں سے نکل کر عملی اقدامات کرنے ہوں گے۔ ہمیں کشمیر میں قید بھارتی جیلوں میں کشمیریوں کی آواز بننا ہوگا۔ ہمیں دنیا کو غیرت دلانی ہوگی۔ ہمیں عالمی ضمیر کو جھنجھوڑنا ہوگا۔ ہمیں بھارت کی سفاکیت کو اپنے میڈیا کی سرخیوں میں تسلسل کے ساتھ جگہ دینی ہوگی، نہ کہ صرف مخصوص دنوں پر۔ ہمیں کشمیر کو "نیشنل انٹرسٹ" بنانا ہو گا، صرف تقریروں میں نہیں، بلکہ پالیسی میں، سفارت کاری میں، میڈیا میں، تعلیم میں، اور قومی شعور میں۔ کوہالہ کے پل پر ہاتھوں کی زنجیر بنانے کے بجائے، پاکستان کی سیاسی قیادت، عسکری قیادت اور قومی قیادت کو بین الاقوامی میڈیا کے ساتھ لائن آف کنٹرول کے قریب جانا چاہیے، وہاں کھڑے ہو کر دنیا کو وہ زخم دکھانے چاہئیں جو کشمیر کے جسم پر لگے ہیں، وہاں کھڑے ہو کر وہ قبریں دکھانی چاہئیں جو انصاف کے انتظار میں ہیں، وہاں کھڑے ہو کر وہ مائیں دکھانی چاہئیں جن کی گودیں اجڑ چکی ہیں، وہاں کھڑے ہو کر وہ بچے دکھانے چاہئیں جن کی آنکھوں میں مستقبل کے بجائے خوف ہے۔

کوہالہ تو آزاد کشمیر میں ہے، وہاں ہاتھوں کی زنجیر بنا کر دنیا کو کیا پیغام جاتا ہے؟ دنیا وہاں نہیں دیکھ رہی، دنیا وہاں نہیں سن رہی، دنیا وہاں نہیں محسوس کر رہی۔ دنیا وہاں دیکھے گی جہاں ظلم ہو رہا ہے، جہاں خون بہہ رہا ہے، جہاں انسانیت چیخ رہی ہے۔ مقبول بٹ شہید، افضل گورو شہید اور امتیاز عالم شہید، یہ تینوں مختلف زمانوں میں، مختلف حالات میں، مختلف انداز میں شہید ہوئے، مگر ان کی جدوجہد ایک تھی، ان کا خواب ایک تھا، ان کا درد ایک تھا، ان کی منزل ایک تھی۔ یہ تینوں اپنی زندگی میں بھی جدوجہد تھے، اور اپنی موت میں بھی پیغام بن گئے۔ انہوں نے ہمیں یہ سکھایا کہ آزادی کوئی تحفہ نہیں، یہ قربانی مانگتی ہے۔ انہوں نے ہمیں یہ بتایا کہ ظلم کے سامنے خاموش رہنا خود ظلم ہے۔ انہوں نے ہمیں یہ دکھایا کہ سچ بولنے کی قیمت گولی بھی ہو سکتی ہے، پھانسی بھی ہو سکتی ہے، جیل بھی ہو سکتی ہے، مگر خاموشی کی قیمت غلامی ہوتی ہے، اور غلامی کی قیمت روح کی موت ہوتی ہے۔ مقبول بٹ شہید نے تختہ دار پر کھڑے ہو کر بھی آزادی کا نعرہ بلند کیا۔ افضل گورو نے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر بھی ظلم کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ امتیاز عالم نے گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی حق کی آواز کو خاموش نہیں ہونے دیا۔ یہ تینوں ہمیں یہ سکھا گئے کہ اصل شکست موت نہیں، اصل شکست خاموشی ہے، اصل شکست سمجھوتہ ہے، اصل شکست خوف ہے۔ ان تینوں کی زندگیوں میں درد تھا، مشکلات تھیں، قیدتھیں، اذیتیں تھیں، تنہائیاں تھیں، مگر اس کے باوجود ان کے دلوں میں امید تھی، ان کی آنکھوں میں خواب تھے، ان کی زبان پر سچ تھا، ان کے قدموں میں ہمت تھی، اور ان کے سینوں میں آزادی کی آگ

تھی۔انہوں نے یہ ثابت کیا کہ جب انسان کے اندر آزادی کا شعلہ بھڑک اٹھے،تو پھر کوئی جیل اسے قید نہیں کرسکتی،کوئی سولی اسے خاموش نہیں کرسکتی،کوئی گولی اسے ختم نہیں کرسکتی۔

کشمیر محض ایک جغرافیائی خطہ نہیں، یہ ایک زخم ہے، ایک ایسا زخم جو سات دہائیوں سے رس رہا ہے، جس پر ہر دن نیا نمک چھڑکا جاتا ہے، جس پر ہر رات نیا خنجر چلایا جاتا ہے، جس سے ہر صبح نیا لہو بہتا ہے۔ یہ زخم صرف کشمیریوں کے جسم پر نہیں، یہ انسانیت کے ضمیر پر ہے، یہ عالمی انصاف کے چہرے پر ہے، یہ اقوام متحدہ کے دعووں پر ہے، یہ انسانی حقوق کی تنظیموں کی رپورٹوں پر ہے، یہ دنیا کی جمہوریتوں کے نعروں پر ہے۔کشمیر کی وادیوں میں بہتا ہوا لہو صرف کشمیریوں کا نہیں، یہ ہر اس انسان کا لہو ہے جو انصاف پر یقین رکھتا ہے، جو آزادی پر ایمان رکھتا ہے، جو انسانی وقار پر یقین رکھتا ہے، جو ظلم کے خلاف کھڑا ہونے کو انسان ہونے کی شرط سمجھتا ہے۔اگر آج کشمیر میں ظلم ہو رہا ہے اور ہم خاموش ہیں، تو کل کہیں اور بھی ہوگا، اور وہاں بھی ہم خاموش ہوں گے، یہاں تک کہ ایک دن ظلم ہمارے دروازے پر دستک دے گا، اور ہمیں بھی کوئی سننے والا نہیں ملے گا۔

مقبول بٹ شہید، افضل گورو اور امتیاز عالم شہید، یہ تین نام ہماری تاریخ کے وہ چراغ ہیں جن کی روشنی میں ہمیں اپنا راستہ تلاش کرنا ہے۔ یہ وہ ستارے ہیں جن کی رہنمائی میں ہمیں اندھیری راتوں میں چلنا ہے۔ یہ وہ نشانیاں ہیں جن سے ہمیں یہ سیکھنا ہے کہ آزادی سستی نہیں ملتی، یہ مہنگی ہوتی ہے، اتنی مہنگی کہ اس کی قیمت زندگی ہوتی ہے، اور کبھی کبھی زندگی سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ مضمون کوئی عام تحریر نہیں، یہ ایک عہد ہے، اس عہد کا کہ ہم ان شہیدوں کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دیں گے۔اس عہد کا کہ ہم ان کی قربانیوں کو رسمی تعزیتوں میں دفن نہیں کریں گے۔اس عہد کا کہ ہم ان کی یاد کو صرف مخصوص دنوں تک محدود نہیں کریں گے۔اس عہد کا کہ ہم ان کے خواب کو اپنی سیاست کا ایندھن نہیں، اپنی جدوجہد کا مقصد بنائیں گے۔ ہم مقبول بٹ کے تختہ دار پر کھڑے ہو کر بھی جھکنے سے انکار کو سلام کرتے ہیں۔ ہم افضل گورو کے کٹہرے میں کھڑے ہو کر بھی سچ بولنے کو سلام کرتے ہیں۔ ہم امتیاز عالم کے گولیوں کے سامنے کھڑے ہو کر بھی آواز بلند رکھنے کو سلام کرتے ہیں۔اور ہم یٰسین ملک کی تہاڑ جیل کی سلاخوں کے پیچھے زندہ رہ کر بھی امید کو زندہ رکھنے کو سلام کرتے ہیں۔ ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ کشمیر کی جدوجہد کوئی دہشت گردی نہیں، یہ حق خودارادیت کی جدوجہد ہے۔ ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ کشمیریوں کی قربانیاں کوئی حادثہ نہیں، یہ تاریخ کی ضرورت ہیں۔ ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ کشمیریوں کا لہو کوئی ضائع ہونے والا سیال نہیں، یہ آزادی کی روشنائی ہے جس سے مستقبل لکھا جائے گا۔آخر میں، ہم دنیا سے یہ سوال کرتے ہیں، نہیں، ہم دنیا سے یہ سوال نہیں کرتے، ہم دنیا سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ کشمیر کو مزید آگ میں جھونکنے سے پہلے جاگو۔کشمیریوں کو مزید قبروں میں اتارنے سے پہلے جاگو۔ انصاف کو مزید سولی پر لٹکانے سے پہلے جاگو۔ انسانیت کو مزید قتل ہونے سے پہلے جاگو، کیونکہ اگر آج تم نے کشمیر کی چیخ نہ سنی، تو کل تمہاری چیخ بھی کوئی نہیں سنے گا۔اور اگر آج تم نے کشمیر کے آنسو نہ پونچھے، تو کل تمہارے آنسو بھی کسی کے دل کو نہ ہلائیں گے۔

میرا یہ اس ماہ کا خصوصی مضمون ان شہیدوں کے نام ہے جنہوں نے ہمیں جینا سکھایا، مر کر بھی۔ یہ تحریر ان ماؤں کے نام ہے جنہوں نے بیٹے جنے، لاشیں نہیں۔ یہ کالم ان بچوں کے نام ہے جنہوں نے باپ کی انگلی نہیں، قبر کی مٹی تھامی۔ یہ نوحہ اس وادی کے نام ہے جس کے درختوں پر پھل نہیں، زخم اگتے ہیں۔ یہ چیخ اس سرزمین کے نام ہے جس کا نام کشمیر ہے، اور جس کا مقدر ابھی تک غلامی کی سلاخوں میں قید ہے۔ اے مقبول بٹ! اے افضل گورو! اے امتیاز عالم! تمہارے لہو کی خوشبو اب بھی وادیوں میں پھیلی ہوئی ہے، تمہارے خواب اب بھی ہماری آنکھوں میں جل رہے ہیں، تمہارے نام اب بھی ہمارے دلوں میں دھڑک رہے ہیں، اور تمہاری قربانی اب بھی ہماری رگوں میں آگ بن کر دوڑ رہی ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم خاموش نہیں رہیں گے، ہم جھکیں گے نہیں، ہم تھکیں گے نہیں، ہم رکیں گے نہیں، کیونکہ کشمیر صرف ایک زمین نہیں، یہ ایک امانت ہے، اور امانت میں خیانت کرنے والی قومیں تاریخ کے کوڑے دان میں پھینک دی جاتی ہیں۔

اے مقبول بٹ! اے افضل گورو! اے امتیاز عالم! تمہارے لہو کی خوشبو اب بھی وادیوں میں پھیلی ہوئی ہے، تمہارے خواب اب بھی ہماری آنکھوں میں جل رہے ہیں، تمہارے نام اب بھی ہمارے دلوں میں دھڑک رہے ہیں، اور تمہاری قربانی اب بھی ہماری رگوں میں آگ بن کر دوڑ رہی ہے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم خاموش نہیں رہیں گے، ہم جھکیں گے نہیں، ہم تھکیں گے نہیں، ہم رکیں گے نہیں، کیونکہ کشمیر صرف ایک زمین نہیں، یہ ایک امانت ہے، اور امانت میں خیانت کرنے والی قومیں تاریخ کے کوڑے دان میں پھینک دی جاتی ہیں۔

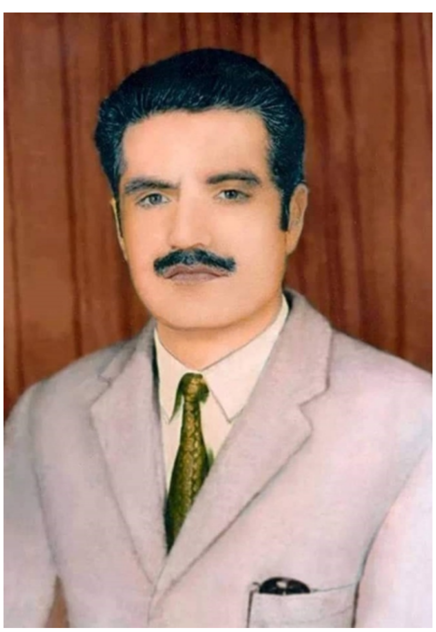

کیا امید ٹوٹ رہی ہے؟

محمد احسان مہر

یہ تحریر طباعت کے مراحل سے گزر کر جب کشمیر الیوم کے قاری کے ہاتھوں میں پہنچے گی ،5 فروری ،یوم یکجہتی کشمیر ،کشمیری بھائیوں کے ساتھ پاکستانی قوم کا اظہار یکجہتی کا دن ،ہر سال کی طرح اس سال بھی ،نعروں ،وعدوں ،اخلاقی ،سیاسی اور سفارتی حمایت کی اُمید کی کرن دکھاتا ،ایک اور سال ،اگلے سال کی طرف رواں دواں ہوگا،دن ماہ و سال میں بدل گئے،اور سال دہائیوں میں تبدیل ہوتے رہے لیکن مسئلہ کشمیر جمود کا شکار رہا صرف تجدید عہد اقوام متحدہ اور عالمی برادری کے ضمیر کو جھنجھوڑ سکے گا،یا اس سے زیادہ کچھ اور بھی کرنے کی ضرورت ہے۔

خطہ کشمیر کا امن کب تک عالمی مفادات کی نذر ہوتا رہے گا،کشمیری قوم کب تک بھارتی پنجہ استبداد میں جکڑی رہے گی،مائیں کب تک بیٹوں کی واپسی کی راہ تکتی رہیں گی،جوان بیٹیاں کب تک سہاگ کے انتظار میں بیٹھی رہیں گی،بہنیں کب تک بھائیوں کی جدائی کا صدمہ برداشت کرتی رہیں گی،بوڑھے والدین کب تک جوان بیٹوں کے لاشے اٹھاتے رہیں گے،کشمیر کی حسین وادیوں میں کب تک موت کا رقص جاری رہے گا،بھارت فالس فلیگ آپریشن کی بنیاد پر کب تک جنوبی ایشیاء کے امن کو جنگ کی بھٹی میں جھونکنے کی مذموم کوشش کرتا رہے گا۔79 برس بیت گئے عالمی برادری، اقوام متحدہ کی قراردادوں اور سلامتی کونسل کی اتھارٹی کے باوجود مسئلہ کشمیر حل کرنے میں ناکام رہی، شہہ رگ پاکستان سے کب تک خون رستا رہے گا، بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کے فرمودات سے قوم کب تک پہلوتہی کرتی رہے گی۔

زندہ اور باوقار قومیں قومی مفادات کیلئے آگے بڑھتی ہیں لیکن بدقسمتی سے ہم قومی مقاصد سے انحراف کرنے والی قوم کی طرح 79 برسوں سے شخصی مفادات کے گرداب میں اُلجھے ہوئے ہیں ۔امریکی صدر پاک بھارت جنگ رکوانے کے بعد جس طرح امن کا نوبل انعام لینے کی خواہش کا اظہار کرتے رہے، چاہیے تو یہ تھا کہ وہ پاک بھارت مذاکرات کے لئے اپنا کردار بھی ادا کرتے لیکن وہ مشرق وسطیٰ میں 3 ہزار سالہ تنازع ختم کرانے کی بات کرتے ہیں لیکن اسرائیل کا ہاتھ آج تک نہیں روک سکے

زندہ اور باوقار قومیں قومی مفادات کیلئے آگے بڑھتی ہیں لیکن بدقسمتی سے ہم قومی مقاصد سے انحراف کرنے والی قوم کی طرح 79 برسوں سے شخصی مفادات کے گرداب میں اُلجھے ہوئے ہیں ۔امریکی صدر پاک بھارت جنگ رکوانے کے بعد جس طرح امن کا نوبل انعام لینے کی خواہش کا اظہار کرتے رہے، چاہیے تو یہ تھا کہ وہ پاک بھارت مذاکرات کے لئے اپنا کردار بھی ادا کرتے ،لیکن وہ مشرق وسطیٰ میں 3 ہزار سالہ تنازع ختم کرانے کی بات کرتے ہیں لیکن اسرائیل کا ہاتھ آج تک نہیں روک سکے

،عالمی سطح پر ان کی غیر سنجیدگی کا عالم یہ ہے کہ دنیا میں تجارت اور (ٹیرف) کی بنیاد پر جنگیں رکوانے کے دعویدار امریکی صدر اب ڈالر اور تیل کی بنیاد پر آزاد اور خود مختار ممالک میں خطرناک طریقے سے دخل اندازی پر اتر آئے ہیں،ایسا لگتا ہے کہ امریکی صدر کی انتہاء درجے کی خود پسندی اور خوشامدی لہجہ عالمی نظام میں پُر اسرار تبدیلیوں کو جنم دینے کا باعث بنے گا۔

معرکہ حق میں کامیابی اور آپریشن سُندور کی ناکامی کے بعد مسئلہ کشمیر عالمی سطح پر ابھر کر سامنے آیا ہے،اب پہلے سے بھی زیادہ اقوام متحدہ اور عالمی برادری کے سامنے مسئلہ کشمیر کی نزاکت اور حساسیت کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے،جیسا کہ اقوام متحدہ اور عالمی برادری پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ جنوبی ایشیاء میں امن کا قیام مسئلہ کشمیر کے حل سے مشروط ہے ۔ضروری تھا کہ عالمی برادری میں مسئلہ کشمیر حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ،دفاعی کامیابی کو سفارتی انداز میں بھی جیتنے کی ضرورت ہے،خطے کے معروضی حالات کشمیر کے معاملے میں کامیاب سفارت کاری کا تقاضا کرتے ہیں۔

عالمی طاقتیں بین الااقوامی قوانین اور روایات کو پس پشت ڈال کر اپنے مفادات کے لیے جس طرح کا کھیل رچا رہی ہیں

پاکستان کو بھی خطے میں طاقت کا توازن برقرار رکھتے ہوئے اپنے مفادات کے لیے میدان میں اترنا ہوگا، بے شک زندہ اور باوقار قومیں مشکل اور دلیرانہ فیصلوں سے ہی پہنچانی جاتی ہیں، قومی مقاصد کے حصول کی خاطر ہمیں قومی سطح پر ہر قسم کی قربانی کے لیے بھی ہمہ وقت تیار رہنے کی ضرورت ہے۔

ایران کے داخلی معاملات میں امریکہ کی براہ راست دھمکیاں؛ شہری آزادی، جمہوریت، انسانی حقوق، عالمی سیاست اور بین الاقوامی قوانین کی قبر کھودنے کے مترادف ہے، اب یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ اس میں گرتا کون ہے، کیا مشرق وسطیٰ کسی نئے بحران کا متحمل ہوسکتا ہے، کتنی تباہی و بربادی

معرکہ حق میں کامیابی اور آپریشن سُندور کی ناکامی کے بعد مسئلہ کشمیر عالمی سطح پر ابھر کر سامنے آیا ہے ،اب پہلے سے بھی زیادہ اقوام متحدہ اور عالمی برادری کے سامنے مسئلہ کشمیر کی نزاکت اور حساسیت کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے، جیسا کہ اقوام متحدہ اور عالمی برادری پر یہ واضح ہو چکا ہے کہ جنوبی ایشیاء میں امن کا قیام مسئلہ کشمیر کے حل سے مشروط ہے۔ ضروری تھا کہ عالمی برادری میں مسئلہ کشمیر حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتے، دفاعی کامیابی کو سفارتی انداز میں بھی جیتنے کی ضرورت ہے، خطے کے معروضی حالات کشمیر کے معاملے میں کامیاب سفارت کاری کا تقاضا کرتے ہیں۔

کشمیریوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ہیں کہ ایک دن ضرور یہ طویل اور تاریک رات ختم ہوگی اور صبح آزادی کا سورج طلوع ہوگا، وہ دیکھ رہے ہیں کہ بہت جلد نام نہاد جمہوریت کی کھوکھلی بنیادوں پر کھڑا بھارت کا معاشرتی نظام زمین بوس ہوگا، پھر کمزور، مظلوم اور لاچار انسانیت سکھ کا سانس لے سکے گی لیکن ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کہیں یہ امید ٹوٹ تو نہیں رہی۔

خلیجی ریاستوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہوگی۔ سچ یہ ہے کہ امریکہ کو عالمی امن، انسانی حقوق سے کوئی سروکار ہے نہ ہی امریکی صدر کے (فیورٹ اور پسندیدہ) القابات کے پیچھے کوئی حقیقت نظر آتی ہے، یہ خوشامدی کا ایسا جال ہے وقت گزرنے کے ساتھ جس کے پیچھے چھپے گھناؤنے عزائم آشکار ہوں گے۔

ٹرمپ عالمی لیڈر کے برعکس روایتی لیڈر کی طرح عالمی نظام میں رخنہ اندازی کی کوشش کر کے عالمی برادری میں غلط پیغام دے رہے ہیں، مشرق وسطیٰ کا امن اور مسئلہ کشمیر کا حل عالمی سطح پر ایک بڑا چیلنج ہے، انہیں نظرانداز کر کے لا یعنی مقاصد کے پیچھے بھاگنا عالمی طاقتوں کو زیب نہیں دیتا۔

کشمیری اقوام متحدہ کی سرد مہری، عالمی برادری کی بے حسی اور

کشمیری اقوام متحدہ کی سرد مہری، عالمی برادری کی بے حسی اور کشمیریوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، اور اس امید پر وہ بھارتی سامراج کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہیں کہ ایک دن ضرور یہ طویل اور تاریک رات ختم ہوگی اور صبح آزادی کا سورج طلوع ہوگا، وہ دیکھ رہے ہیں کہ بہت جلد نام نہاد جمہوریت کی کھوکھلی بنیادوں پر کھڑا بھارت کا معاشرتی نظام زمین بوس ہوگا، پھر کمزور، مظلوم اور لاچار انسانیت سکھ کا سانس لے سکے گی لیکن ہمیں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کہیں یہ امید ٹوٹ تو نہیں رہی۔

،اور اس امید پر وہ بھارتی سامراج کے سامنے ڈٹ کر کھڑے

تربیت تاریخ سے محروم نئی نسل

شہزادمنیر احمد

ہمارا معاشرہ اس قدر کھل کر بکھر گیا ہے کہ کسی سنجیدہ مزاج فرد کا اس سے نظر بچا کر گزر جانا مشکل ہے، تماش بینوں کی بات اور ہے۔ میں اپنے ماضی کو اپنے حال میں مدغم کر کے رہ رہا ہوں، پرانی روایت کی کسی کے ہاتھوں جدت پسندی کے نام پر شکل مسخ ہوتے دیکھ کر مجھ سے خاموش نہیں رہا جاتا۔ لیکن سوال خود سے کرتا ہوں کہ میری اوقات ہی کیا ہے۔ ہاں کبھی تھی، تو میں اس کا قرض اسی طرح اسی کے لہجے میں اسی وقت اتار دیتا تھا۔ اب تو پنجابی زبان والی" ہانڈی ابلے تو اپنے ہی کنارے جلاتی ہے"۔ دراصل، قومی زندگی کے عقیدے اور نظریہ حیات کے بعد دو اہم ترین پہلو ہوتے ہیں جنہیں بڑی سمجھ داری اور ہنر مندی سے محفوظ بنایا جانا ہوتا ہے۔ ایک قومی تعلیم، زبان، نصاب اور معلمین کا انتخاب۔ دوسرا معاشرتی زندگی کے قوانین و ضوابط و دیگر اصول۔ یعنی آئین کی تشکیل۔ کیونکہ معاشرتی زندگی کا اغاز بھی آئینی دہلیز سے شروع ہوتا ہے اور اختتام بھی قانونی تشفی وطمانیت پر ہوتا ہے۔۔ All is well that ends well۔ ہندوستان پر انگریزوں کے جابرانہ تسلط اور انگریز پارلیمنٹیرین لارڈ میکالے کی نافذ کردہ تعلیمی پالیسی کے باعث ہندوستان کی مقامی زبانوں، سنسکرت، عربی فارسی اور اُردو کو مکمل مسترد کر کے انگریزی زبان کو سرکاری و دفتری زبان قرار دیا گیا۔ انگریزی زبان جاننے پڑھنے لکھنے والوں کو انگریزوں کی سرپرستی حاصل ہوئی تو ان کے وارے نیارے ہو گئے۔ تھوڑے ہی عرصے میں ہندوستان کے مقامی باشندے اپنی زبانوں کے اعتبار سے شناخت کھونے کے صدمے کو بھول بھال گئے اور معمول کی سرگرمیوں میں جت گئے۔ (مطلب کہ نئی زندگی پر مطمئن رہ کر جینا سیکھ گئے، گویا غلامی قبول کر لی) دور اندیش اور بصیرت بھرے لوگوں کو احساس زیاں نے چین سے رہنے نہ دیا۔ تحریک پاکستان کی کوئی سو سالہ کوششوں، علامہ اقبال کی حقیقی نظریاتی قیادت اور محمد علی جناح کی معتبر سیاسی وقانونی رہنمائی میں، ہندوستان کے بٹوارے کے نتیجے میں دو خود مختار ریاستیں، بھارت اور پاکستان 14 اور 15 اگست 1947 کو معرض وجود میں آئیں۔ اس انقلابی تبدیلی کے بعد، حکومت پاکستان اور محب وطن پاکستانیوں کے لیے لازم ہو گیا تھا کہ وہ بدلے ہوئے سماجی وثقافتی اور سیاسی حیثیت وحالات کے تابع اپنا آئین اور دیگر قوانین وضوابط انتہائی پہلی ترجیح کے طور پر تشکیل دیتے۔ بالخصوص اس اعتبار سے کہ" خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی"۔ لیکن افسوس کہ وہ لوگ جو انگریزوں کے دور حکومت میں مراعات یافتہ طبقے قرار پائے تھے، انہیں اتنی بڑی ناممکن نظر آتی تبدیلی دنیا کے نقشے پر حقیقی شکل میں قائم ہوتی پسند نہ آئی۔ وہ خود کو ریاستی اختیارات اور مراعات سے سبکدوش ہونے یا از خود پاکستان کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے کی بجائے لایعنی بحث مباحثوں، خود فریبی اور اندیشوں میں ایسے پھنس گئے کہ وہ اپنی قومی زبان کا نہ تعین کر سکے اور نہ نفاذ۔ اگر چہ قائداعظم محمد علی جناح نے چھ ماہ کی مسلسل غور وخوض اور تحقیق کے بعد اُردو کو قومی زبان قرار دیا تھا، اسے بھی مگر حکمران نافذ نہ کر سکے۔ 9 سال تک تو آئین ہی نہ بنا پائے۔ وہ پنجابی والے" پانی سے پراٹھے پکاتے رہے،،۔ اور عوام کو سہانے خواب دکھاتے رہے۔ اس کے برعکس، بھارت کی نئی حکومت نے اپنے آئینی ڈھانچے کو مضبوط بنایا، فوجی نظام کو قوت بخش اور DISCIPLINED ادارہ بنایا، زرعی زمینوں کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کر دی۔ دیگر ادارہ جاتی معاملات کو بھی قانونی طور پر چلایا۔ پاکستان کے تجربہ کار اہل و دور اندیش سیاست داں بھی نفسانفسی اور چھینا جھپٹی میں کود پڑے اور بیکار سیاسی مخالفین کو توہین وتذلیل کا نشانہ بناتے رہے جس کی وجہ سے ریاست پاکستان میں کوئی بھی ڈھنگ کی شروعات سامنے نہ آئیں۔ سرکاری اہل کاروں نے خود کو اور اپنے اقرباء ولواحقین اور اولادوں کو۔ مضبوط بنیادیں فراہم کیں۔ ہم دونوں ذمہ داریوں، قومی تعلیم کی اہمیت اور معاشرتی زندگی کی تربیت کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دے سکے۔ قوم بحیثیت مجموعی، نئی نسل جوان اور بوڑھوں کو بے لگام چھوڑ کر خودکشی کے راستے پر چل پڑی۔ معاشرتی زندگی میں دوسری اہم ترین اکائی شادی ہوا کرتی ہے۔ ہم یہ نکتہ ہی بھول گئے کہ مرد اور عورت کے اس محترم فطری جوڑ سے حقوق وفرائض کی عملی بحث کا چھیڑنا ویسے ہی لازم ہوگا جیسے جنت کی۔ معاشرت میں مکین حوا اور آدم کے درمیان پیدا ہوا تھا۔ آج یہ دو ہیں کل یہ لاتعداد و بے شمار ہوں گے۔ لہٰذا اس شادی شدہ جوڑے کو، رہن سہن، کھانے پینے، دیگر شرائط کی پابندی کے ساتھ احتیاط وعدل و انصاف کا برتاؤ سمجھانا بہت ضروری ہے۔ ہمارا اس اہم ترین ذمہ داری سے پہلوتہی کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ معاشرے میں آدمیت میں چین نظر اتا ہے نہ انسانیت کی معراج نہ عدل وانصاف کی پاسداری ۔۔۔ قومی حیثیت، آزادی، قومی شناخت اور آزاد مملکت خداداد پاکستان کو قائم کرنے والے قائدین اور اکابرین کو پروقار خراج عقیدت پیش کرنے کے اعتبار سے یہ تاریخی واقعہ بطور یاد دہانی عرض کرتا ہوں۔ قائداعظم محمد علی جناح 11 ستمبر 1948 کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کی قبر پر مزار بنانے کا کام اس قدر سست رفتار تھا کہ 12 سال لگ گئے، مزار مکمل نہ ہوا۔ 1960 میں پاکستان اور بھارت کے درمیان طے پانے والے سندھ طاس معاہدے پر دستخط کرنے کے سلسلے میں بھارت کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو پاکستان آئے۔ انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کے مزار پر جانے کی خواہش کی اور وہ وہاں گئے۔ اگلے روز وہ صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خان سے ملے اور قائداعظم کے زیر تعمیر مقبرے کی زبوں حالی کے بارے میں (طنز تھی یا دلی افسوس) جنرل سے کہا کہ اس میعار وسطح وحیثیت کے لیڈر کے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر دلی دکھ ہوا ہے۔ پھر 1960 میں صدر پاکستان کی مداخلت سے مقبرہ قائد اعظم محمد علی جناح کی تعمیر وتکمیل میں تیزی آ گئی اور یوں 70 کی دہائی میں ہمارے پیارے بابائے قوم کا مقبرہ مکمل ہوا۔

شہزاد منیر احمد (گروپ کیپٹن ریٹائرڈ) اسلام آباد کے معروف ادیب، شاعر اور کالم نگار ہیں

آہ ملک صاحب!!!

ابو فیضان

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یکم جنوری 2026 سال نو کا سورج بھی حسب دستور طلوع ہوا۔ مگر تحریک آزادی کشمیر کے لیے بالعموم اور حزب المجاہدین کے لیے بالخصوص ایک ایسا خلا چھوڑ دیا جس کو پُر کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ آج سے 73 سال پہلے مقبوضہ کشمیر کے بانڈی پورہ علاقے سے تعلق رکھنے والے ملک محمد عبداللہ ایم ایچ راولپنڈی میں خالق حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس شخص کی وفات غریب الوطنی میں ہوئی وہ شہید ہے۔ایک دفعہ مدینہ میں ایک شخص کی وفات ہوگئی۔ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھانے کے بعد فرمایا کہ کاش اس شخص کی موت اس کے گھر سے دور ہوتی، جو شخص اپنے گھر سے دور ہوتا ہے، جو شخص اپنے گھر سے دور وفات پاتا ہے اس کے لیے شہادت کا درجہ لکھ دیا جاتا ہے۔

> آج سے 73 سال پہلے مقبوضہ کشمیر کے بانڈی پورہ علاقے سے تعلق رکھنے والے ملک محمد عبداللہ ایم ایچ راولپنڈی میں خالق حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس شخص کی وفات غریب الوطنی میں ہوئی وہ شہید ہے۔ایک دفعہ مدینہ میں ایک شخص کی وفات ہوگئی۔رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پڑھانے کے بعد فرمایا کہ کاش اس شخص کی موت اس کے گھر سے دور ہوتی، جو شخص اپنے گھر سے دور ہوتا ہے، جو شخص اپنے گھر سے دور وفات پاتا ہے اس کے لیے شہادت کا درجہ لکھ دیا جاتا ہے

ملک محمد عبداللہ ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔تحریک آزادی کشمیر میں عملی جدوجہد سے پہلے بھی جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر کے ساتھ منسلک تھے وہ جماعت اسلامی کے نہ صرف فعال رکن بلکہ میرے امیر تحصیل بھی رہے ہیں۔مسلم متحدہ محاذ کے پلیٹ فارم سے اسمبلی کے الیکشن میں بھی حصہ لیا۔

1990 میں ہجرت کر کے عملاً جہاد بالسیف میں شمولیت اختیار کی۔عسکری تربیت حاصل کرنے کے بعد تنظیم نے ملک صاحب کی علمی صلاحیتوں کا ادراک کرتے ہوئے میڈیا کا محاذ سنبھالنے کا حکم دیا اس طرح ملک صاحب نے ریڈیو صدائے حریت سے

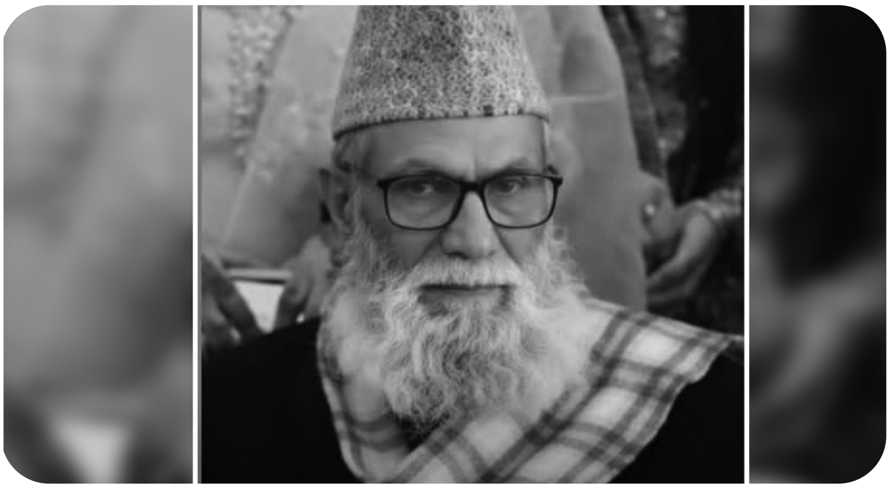

جہاد کشمیر کو نہ صرف عالمی سطح پر اجاگر کیا بلکہ نوجوانوں کو جذبہ جہاد ابھارنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ اس کے بعد ملک صاحب نے نظم کے حکم پر حریت کانفرنس میں بھی شرکت کی اور سیاسی محاذ پر تحریک آزادی کشمیر کو اجاگر کرنے میں دن رات وقف کیا۔

ملک صاحب کو یہ منفرد اعزاز بھی حاصل ہے کہ وہ بلا ناغہ حزب المجاہدین کی کمانڈ کونسل کے رکن منتخب ہوتے رہے اور وفات کے وقت بھی حزب شوریٰ کے ممبر تھے۔ملک عبداللہ صاحب شعبہ تعلیم وتربیت کے ذمہ دار بھی رہے اور مجاہدین کی ذہنی اور فکری تربیت کر کے استاد محترم کا درجہ بھی حاصل کیا۔ 2018 سے 2024 تک ملک صاحب شعبہ بحالیات وتعلیم وتربیت کے ذمہ دار رہے ہیں۔ملک صاحب نے ناتواں جسم اور جسمانی کمزوری کے باوجود اس ذمہ داری کو باحسن نبھانے کی بھرپور کوشش کی۔اس دوران خوش قسمتی سے راقم کو ملک صاحب کے ساتھ معاون کی حیثیت سے کام کرنے کی سعادت ملی۔

ملک صاحب کے بارے میں راقم بحواس خمسہ یہ گواہی دینے میں حق بجانب ہے کہ وہ ایک بہترین استاد، ایک شفیق معلم اور امانت داری سے اپنی ذمہ داری نبھانے کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔ملک صاحب اپنا چھوٹے سے چھوٹا کام بھی خود کرتے تھے حتیٰ کہ چائے کی کیتل سے چائے انڈیلنے کے لیے بھی وہ خود کرسی سے اٹھتے تھے۔ میں نے کئی بار ملک صاحب کے جوتے اٹھا کر ان کے سامنے رکھنے کی کوشش بھی کی مگر انہوں نے ہر بار منع کیا۔

2024 میں جسمانی کمزوری حد سے بڑھ گئی تو ملک صاحب نے ذمہ داری سے فراغت کی درخواست دی جو مرکز نے قبول کی۔ اس دوران کئی بار ہم خبر گیری کے لئے گئے تو ہمیشہ مومن کی طرح ملک صاحب کسی شکوہ شکایت کے بغیر اللہ کا شکر ادا کرتے رہے اور تمام ساتھیوں کے بارے میں پوچھتے رہے۔وفات سے کچھ دن پہلے میں ان کے گھر خیریت پوچھنے گیا تو تمام ساتھیوں کا حال احوال پوچھا۔سب کو سلام دینے کا کہا۔اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دست بہ دعا ہوں کہ ملک صاحب کو جنت الفردوس میں شہداء کے ساتھ اعلیٰ وارفع مقام نصیب ہو۔آمین

اسرائیلی جیل میں 45 برس: طویل ترین قید کاٹنے والے فلسطینی سے ملاقات

افتخار گیلانی

ترکیہ کے شہر استنبول کے ایک پانچ ستارہ ہوٹل کے اندر چمکتے ہوئے سنگِ مرمر اور نرم روشنیوں سے سجے کانفرنس ہال میں فلسطین پر ایک بین الاقوامی کانفرنس کے سیشن چل رہے تھے۔ ہر کرسی پر ترجمے کے ہیڈسیٹ ترتیب سے رکھے تھے۔ دنیا بھر سے سفارت کار، دانشور، سیاسی و سماجی کارکن اور صحافی ہال میں موجود تھے۔ اس کانفرنس کے ایک سیشن میں جب نائل البرغوثی نے بولنا شروع کیا، تو چند لمحوں میں ہی اوپر جھلملاتے فانوس غیر متعلق محسوس ہونے لگے۔ چند ہی لمحوں میں ہال کسی عالیشان مقام کے بجائے ایک بند، بھاری اور دم گھونٹ دینے والی جگہ بن گیا، جیسے دیواروں نے دہائیوں کا دکھ اپنے اندر جذب کر لیا ہو۔ میرے پیچھے سسکیوں کی آوازیں آنے لگیں۔ چند قطار پیچھے بیٹھی ایک عورت نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا، اس کے کندھے ہچکیاں لے رہے تھے۔ دروازے کے قریب بیٹھا ایک بوڑھا شخص بار بار اپنی آنکھیں پونچھ رہا تھا، شاید ان آنسوؤں پر خود حیران اور شرمندہ جو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ہال کے پچھلے حصے سے دبی دبی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ بے اختیار آوازیں جو اُس وقت نکلتی ہیں جب غم وقار سے پہلے سطح پر آجاتا ہے۔ کوئی ایک چہرہ بھی بے اثر نہ تھا۔

برغوثی بغیر کسی نوٹس کے بول رہے تھے۔ ان کی آواز بلند نہیں تھی۔ نہ کوئی ڈرامہ، نہ الزام، نہ فریاد تھی۔ وہ انتہائی سکون اور وضاحت کے ساتھ اسرائیلی جیل میں ان کے گزرے پینتالیس برسوں کی دردناک کہانی سنا رہے تھے۔ چار دہائیوں کی تاریکی کے بعد البرغوثی نے روشنی میں قدم رکھا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئے تو پورا ہال ایک جسم بن کر کھڑا ہو گیا۔ فوراً تالیاں نہیں بجیں۔ پہلے گہری اور باوقار خاموشی آئی۔ پھر تالیوں کی آواز، ابتدا میں ہچکچاہٹ کے ساتھ، پھر بڑھتی ہوئی، پھیلتی ہوئی، پورے ہال کو بھر دینے والی جوش سے بھری آوازیں ابھریں۔ لوگ دیر تک کھڑے رہے۔ برغوثی کے اسٹیج سے نیچے اترتے ہی لوگ ان کو چھو کر جیسے یقین کر رہے تھے کہ کیا یہ شخص واقعی گوشت و پوست کا انسان ہے، جو اسرائیل کی جیل سے زندہ باہر نکل آیا ہے۔

برغوثی بغیر کسی نوٹس کے بول رہے تھے۔ ان کی آواز بلند نہیں تھی۔ نہ کوئی ڈرامہ، نہ الزام، نہ فریاد تھی۔ وہ انتہائی سکون اور وضاحت کے ساتھ اسرائیلی جیل میں ان کے گزرے پینتالیس برسوں کی دردناک کہانی سنا رہے تھے۔ چار دہائیوں کی تاریکی کے بعد البرغوثی نے روشنی میں قدم رکھا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئے تو پورا ہال ایک جسم بن کر کھڑا ہو گیا۔ فوراً تالیاں نہیں بجیں۔ پہلے گہری اور باوقار خاموشی آئی۔ پھر تالیوں کی آواز، ابتدا میں ہچکچاہٹ کے ساتھ، پھر بڑھتی ہوئی، پھیلتی ہوئی، پورے ہال کو بھر دینے والی جوش سے بھری آوازیں ابھریں۔

ہال کے باہر صحافیوں کا ہجوم ان کی طرف مائیک و کیمرے لے کر لپک رہے تھے۔ ان پر عربی، ترکی اور انگریزی میں سوالوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔ وہ سب کے جواب تحمل سے دے رہے تھے، نہ جھنجھلاہٹ، نہ عجلت، جیسے وقت، جس نے کبھی انہیں بے رحمی سے کچلا تھا، اب ان پر حکم نہیں رکھتا تھا۔ جب ہجوم کچھ کم ہوا تو میں نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کرایا۔ انہوں نے پوری توجہ سے سنا، ان کی نگاہ ٹھہری ہوئی تھی، ویسی ہی جیسی قیدی سیکھ لیتے ہیں۔ میں نے اپنے جیل کے چند واقعات بتائے۔ ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ یوں ہماری گفتگو شروع ہوئی۔ قد آور اور دبلے پتلے نائل البرغوثی کی عمر 67 برس ہے۔ ان کا جسم محرومی کی طویل چھاپ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ بال مکمل سفید ہو چکے ہیں، چہرے پر گہری لکیریں ہیں، جو صرف عمر کی نہیں بلکہ دہائیوں کی ضبط اور برداشت کی گواہ ہیں۔ ان کی آنکھیں تیز اور چوکنی ہیں، ان میں ایک پُرسکون شدت بے چین کر دیتی ہے۔ ان کا لباس سادہ تھا، جسم پر ڈھیلا لٹکتا ہوا، ایک ایسے وجود پر جو برسوں کی قید سے کمزور ہو چکا ہو۔ چہرہ لکیروں سے بھرا تھا۔ یہ لکیریں صرف عمر کی نہیں تھیں بلکہ برداشت، ضبط اور طویل خاموشیوں کی علامت تھیں۔

میں نے جب ان سے زندان میں گزری زندگی کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا؛ اگر کوئی پینتالیس سال کی قید کے بارے میں بات کرنا چاہے تو ایک دو گھنٹے کافی نہیں۔ کتابیں بھی

کافی نہیں ہوں گی۔اسٹیج سے جب ان کا تعارف کرایا گیا تھا،تو ان کو فلسطینی قیدیوں کا ڈین یا عمید بتایا گیا تھا۔انہوں نے کہا کہ وہ اس لقب سے بے چین ہیں جو اکثر ان کے نام کے ساتھ جوڑا جاتا ہے۔مجھے اس پر فخر نہیں،انہوں نے مضبوط لہجے میں کہا۔یہ مجھے عزت نہیں دیتا۔کسی فلسطینی کو چند دن بھی جیل میں نہیں ہونا چاہیے تھا۔پینتالیس سال؟ یہ لقب خود ایک الزام ہے۔تھوڑی دیر رک کر انہوں نے کہا؛میری پہچان سب سے پرانا قیدی نہیں ،میں ایک فلسطینی مجاہد ہوں۔ایک ایسا انسان جو اپنے حق کے لیے لڑا ہے۔

قد آور اور دبلے پتلے نائل البرغوثی کی عمر 67 برس ہے۔ان کا جسم محرومی کی طویل چھاپ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔بال مکمل سفید ہو چکے ہیں، چہرے پر گہری لکیریں ہیں، جو صرف عمر کی نہیں بلکہ دہائیوں کی ضبط اور برداشت کی گواہ ہیں۔ان کی آنکھیں تیز اور چوکنی ہیں،ان میں ایک پُرسکون شدت بے چین کر دیتی ہے۔ان کا لباس سادہ تھا،جسم پر ڈھیلا لٹکتا ہوا،ایک ایسے وجود پر جو برسوں کی قید سے کمزور ہو چکا ہو۔چہرہ لکیروں سے بھرا تھا۔یہ لکیریں صرف عمر کی نہیں تھیں بلکہ برداشت،ضبط اور طویل خاموشیوں کی علامت تھیں۔

برغوثی 23اکتوبر 1957 کو مغربی کنارہ کے فلسطینی شہر رملہ کے شمال میں واقع گاؤں کوبر میں پیدا ہوئے۔ان کا خاندان زراعت کے پیشے سے تعلق رکھتا تھا۔زمین اور زیتون کے

درختوں کے ساتھ ان کے خاندان کا گہرا تعلق تھا۔جو روزی بھی تھے اور شناخت بھی۔مزاحمت ان کے خاندانی ورثے میں شامل تھی۔ان کے والد کو برطانوی دورِ انتداب میں حراست میں لیا گیا تھا۔ایک چچا 1936 کی عظیم عرب مزاحمت میں مارے گئے۔وہ دس برس کے تھے جب جون 1967 میں اسرائیلی افواج نے مغربی کنارے پر قبضہ کیا۔انہیں یاد ہے کہ کیسے فوجی کوبر میں داخل ہوئے۔وہ دھماکے کر رہے تھے اور بچے ان پر پتھر پھینک رہے تھے۔اس دن ان کے اندر کچھ بس گیا،جو پھر کبھی نہیں نکلا۔جوانی میں انہوں نے اپنے بڑے بھائی عمر اور کزن فخری کے ساتھ مزاحمتی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔پہلی گرفتاری دسمبر 1977 میں ہوئی۔تین ماہ قید کے بعد رہائی ملی۔وہ گھر لوٹے،ہائی اسکول کے امتحانات کی تیاری کر رہے تھے کہ اسرائیلی افواج نے انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا۔اس بار جیل کا دروازہ دہائیوں کے لیے بند ہو گیا۔ 1978 میں برغوثی پر ایک اسرائیلی افسر کے قتل میں ملوث ہونے کا الزام لگایا گیا اور ان کو سرسری سماعت کے بعد عمر قید کی سزا سنائی گئی۔وہ بمشکل بیس برس کے تھے۔میں لڑکا تھا جب جیل میں داخل ہوا،اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیر کر انہوں نے کہا۔اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔اگلے ساڑھے چار عشروں میں انہیں تقریباً ہر اسرائیلی جیل میں منتقل کیا گیا۔گلبوع،بیر شیبہ کے تمام حصے،رملہ،نفحہ ،ریمون،اشکلون، نقب،یہ سبھی جیلیں میرا ٹھکانہ رہ چکی ہیں۔اسرائیلی جبر دکھانے اور اذیتیں دینے میں تخلیق کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ایک جبر ختم تو دوسرا طریقہ شروع۔گیارہ برس انہوں نے ایک ہی جیل میں گزارے، جن میں سے آٹھ برس ایک ہی سیل کی دیواروں کو تکتے ہوئے صرف ہوئے۔نو قیدیوں کے لیے بنے سیل میں پندرہ افراد تھے۔ٹھنڈی کنکریٹ کی فرش پر جسم سے جسم جڑے ہوئے ہوتے تھے۔نہ پھیلنے کی جگہ، نہ راز داری۔جیل،ان کے مطابق،صرف قید کی جگہ نہیں تھی۔یہ ایک ایسا نظام تھا جو انسانی روح کو آہستہ آہستہ،منصوبہ بند طریقے سے تھکانے کے لیے بنایا گیا تھا، بغیر ایسے نشانات چھوڑے جو باہر کی دنیا کو الرٹ کر دیں۔اشکلون جیل ان کی یاد میں سب سے زیادہ وحشیانہ جگہوں میں سے ایک کے طور پر نقش ہے۔وہاں تشدد کوئی استثنا نہیں بلکہ معمول تھا۔جب قیدی بنیادی حقوق کے لیے بھوک ہڑتال کرتے،تو جواب میں زبردستی خوراک دی جاتی۔اس کو بھی اذیت کا ذریعہ بنایا جاتا تھا؛

ربڑ کی استعمال شدہ نالیاں منہ یا ناک میں زبردستی ڈالی جاتی تھیں، وہ نالی اتنی نیچے دھکیلتے کہ خون بہنے لگتا۔پھر انتہائی گرم دودھ، نمک ملا کر، پیٹ میں انڈیل دیتے تھے۔قیدیوں کو باندھ دیا جاتا تھا تاکہ حرکت سے محروم ہو جانے پر وہ مزاحمت نہ کرسکیں۔ایک قیدی کے منہ سے نالی نکالی جاتی اور دوسرے کے منہ میں ڈال دی جاتی تھی۔ اس طرح کچھ لوگوں کے پھیپھڑے بیکار ہو گئے، کیونکہ دودھ ان میں چلا گیا تھا۔برغوثی جب یہ بیان کر رہے تھے،تو میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں بند تھیں۔شاید ان کا ذہن دوبارہ جیل میں پہنچ گیا تھا۔وہ بتا رہے

تھے؛''مار پیٹ روز کی غذا تھی۔نقاب پوش محافظ سیلوں پر دھاوا بولتے، ڈنڈوں، بوٹوں اور مکوں سے حملہ کرتے۔ بند جگہوں میں آنسو گیس چھوڑی جاتی تھی۔سٹن گرنیڈ پھٹتے۔ قیدیوں پر خوفناک کتے چھوڑے جاتے تھے، جن کو ایسی ہی تربیت دی جاتی تھی۔'' اس کے ساتھ انہوں نے اپنی آستینیں اوپر کر کے بازو دکھائے، جن پر ان گنت نشانات پڑے ہوئے تھے۔انکے بازو کو بھنبھوڑا گیا تھا۔کئی قیدی تشدد میں مارے گئے۔ جو بچ گئے، وہ میری طرح مستقل زخموں کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں۔کئی قیدی ٹوٹی پسلیوں، خراب اعضاء اور دائمی درد کے ساتھ پس زندان ہیں۔اسرائیلی جیلوں میں کھانے کے نظم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا؛ کھانا بس اتنا دیا جاتا تھا کہ ان پر قیدیوں کو بھوک سے مارنے کا الزام نہ آئے۔ چائے کے کپ سے بھی چھوٹے برتن میں پتلا سا سوپ۔ نہ پھل، نہ گوشت۔ کیلوریز اس طرح ناپی جاتیں کہ قیدی بس زندہ رہیں۔ یہ پیسہ بچانے کے لیے نہیں بلکہ کنٹرول کے لیے تھا۔

برغوثی کا وزن بیس کلو سے زیادہ کم ہو گیا تھا۔ دوسروں کا اس سے کہیں زیادہ، بعض کا ستر کلو تک وزن کم ہو گیا۔ دانتوں کے درد کا علاج ہی نہیں کیا جاتا۔ قیدی ہفتوں سوجھے چہروں کے ساتھ زندگی گزارتے تھے، نہ سو سکتے، نہ کھا سکتے، نہ سوچ سکتے تھے۔کسی کو درد کی ایک گولی تک نہیں ملتی تھی۔انہوں نے کہا؛ سوچیں، کسی کے ساتھ ایک کمرے میں ہفتوں رہنا، جب وہ ناقابل برداشت درد کی حالت میں ہو اور آپ کچھ نہ کر سکنے کی پوزیشن میں ہوں۔ بے بسی کی ایسی انتہا حالت میں بس مرنے کی ہی دعا کی جا سکتی ہے۔اس تشدد کے خلاف اور حقوق کی آواز بلند کرنے جیسے اہل خانہ سے ملاقاتیں، قید تنہائی کا خاتمہ، بچے یا ماں سے ملاقات منوانے کے لیے قیدیوں کے پاس بس بھوک ہڑتال کے سوا کوئی اور ہتھیار نہیں ہوتا تھا۔اگر میں اپنی تمام بھوک ہڑتالیں گنوں، تو یہ تقریباً دو سال بغیر کھانے کے بنتی ہیں یعنی اس کا دورانیہ سات سو تیس دن کا ہے۔جب ایک قیدی کو تنہائی میں ڈالا جاتا، تو دوسرے یکجہتی میں بھوک ہڑتال کرتے۔ برغوثی نے کہا کہ وہ ہمارے اندر کی انسانیت مارنا چاہتے تھے۔ہم نے بھوک بانٹ کر مزاحمت کی۔

اپنی قید تنہائی کا ذکر کرتے ہوئے اس فلسطینی قیدی نے کہا'' کہ ان کے خیال میں قید تنہائی شخصیت مٹانے کے لیے بنائی گئی ہے۔قید تنہائی میں وہ سیل میں رینگتے ہوئے کاکروچ اور دیگر کیڑے مکوڑوں سے باتیں کرتے تھے۔خوف تھا کہ کہیں وہ بولنا ہی بھول نہ جائیں؛ مگر اس دوران میں نے دیکھا کہ اگر ایک کاکروچ کو نقصان پہنچتا تھا، تو دیگر اس کی مدد کرنے پہنچ جاتے تھے۔اس کو دیوار پر چڑھنے میں مدد کرتے تھے۔ایک فلسفی کے انداز میں برغوثی نے سوال کیا کہ انسان دیگر انسانوں کی مدد کیوں نہیں کر پاتا ہے؟ اپنے برادر اکبر عمر کے ساتھ رشتہ ان کی جیل کی زندگی کا بڑا حصہ رہا۔عمر چار سال بڑے تھے، اور وہ بھی مزاحمت کے علمبردار تھے۔ 1985 میں جب قیدیوں کے تبادلے ہونے والے تھے، تو نائل کا نام فہرست میں تھا۔'' تین ماہ پہلے اسرائیلی حکام نے مجھے بتایا کہ''میرا نام رہا ہونے والے فلسطینیوں میں شامل ہے، تو میں نے کہا کہ اگر سب کو رہا کیا جاتا ہے، تو ہی میں جیل سے باہر نکلوں گا۔اگر صرف لسٹ میں شامل قیدیوں کی ہی رہائی ہونی ہے، تو میں اپنی جگہ عمر کو شامل کروانا چاہتا ہوں'' عمر رہا ہو گئے۔نائل وہیں رہے۔بعد میں انتفاضہ کے دوران عمر کو دوبارہ قیدی بنایا گیا۔ بہت سے رہا شدہ قیدی دوبارہ واپس جیلوں کی زینت بن گئے۔

برغوثی نے والدین جیل میں رہتے ہوئے کھو دیے۔ انہیں الوداع کہنے کی اجازت نہیں ملی۔ 2004 میں قیدیوں نے انیس دن کی بھوک ہڑتال کی۔ ان کے والد باہر یکجہتی کے مظاہروں میں شامل ہوئے۔کچھ ہی عرصے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ماں کی موت بھی اسی طرح آئی۔قیدیوں کے لیے فلسطینی حکام نے ایک ایف ایم ریڈیو اسٹیشن قائم کیا تھا۔قیدی اس ایف ایم کے پروگراموں کو چھوٹے ٹرانسسٹروں پر سنتے ہیں۔اس پر رات گیارہ بجکر تین منٹ پر ان کی ماں کی آواز سنائی دی۔اس نے کہا؛''عزت کا گھر دولت کے گھر سے بہتر ہے۔'' پھر اسی رات دو بجے ان کا انتقال ہو گیا۔دنیا دھند بن گئی، انہوں نے کہا۔''والدین کو کھونا زندگی کا ایڈریس کھو دینے جیسا ہے۔میں اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔مگر باہر سے خود کو سنبھالے رکھا۔'' میں اپنی کمزوری جوان قیدیوں پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔اسی قید کے دوران برغوثی نے ایمان نافع سے شادی کی، جو خود ایک سابق قیدی رہ چکی تھی۔ یہ بھی مزاحمت کی ایک صورت تھی۔ان کے درمیان کبھی ازدواجی تعلقات قائم نہیں ہو سکے۔ ایمان ان کو خطوط، تصویریں اور پیغامات بھیجتی تھیں۔میری بیوی مجھے ہر روز فلسطین کے گلی کوچوں کی تصویریں بھیجتی تھیں، تاکہ میں جڑا رہوں۔

ان کے نزدیک محبت جیل میں بقا ہے۔جیل میں قیدی کے پاس آیا خط چھوٹی چیز نہیں ہوتی ہے۔انہوں نے درد کے ساتھ

> پہلی گرفتاری دسمبر 1977 میں ہوئی۔تین ماہ قید کے بعد رہائی ملی۔وہ گھر لوٹے، ہائی اسکول کے امتحانات کی تیاری کر رہے تھے کہ اسرائیلی افواج نے انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا۔اس بار جیل کا دروازہ دہائیوں کے لیے بند ہو گیا۔ 1978 میں برغوثی پر ایک اسرائیلی افسر کے قتل میں ملوث ہونے کا الزام لگایا گیا اور ان کو سرسری سماعت کے بعد عمر قید کی سزا سنائی گئی۔وہ بمشکل بیس برس کے تھے۔میں لڑکا تھا جب جیل میں داخل ہوا، اپنے چہرہ پر ہاتھ پھیر کر انہوں نے کہا۔اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔اگلے ساڑھے چار عشروں میں انہیں تقریباً ہر اسرائیلی جیل میں منتقل کیا گیا۔گلبوع، بیرشیبہ کے تمام حصے، رملہ، نفحہ، ریمون، اشکلون، نقب، یہ سبھی جیلیں میرا ٹھکانہ رہ چکی ہیں

دہائیوں کے تشدد سے تھکا ہوا جسم کئی بیماریوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے اب وہ ترکیہ میں علاج کرا رہے ہیں۔ دائمی درد، چوٹوں اور ان بیماریوں کے ساتھ جو جیل کی دیواروں کے اندر خاموشی سے جمع ہوتی رہیں، اب ان کو پریشان کر رہی ہیں، پھر بھی ان کا یقین قائم ہے۔ وہ بتا رہے تھے کہ ان کی جدو جہد ختم نہیں ہوئی ہے اور وہ اب بھی مزاحمت کر رہے ہیں۔ ان سے بات چیت کرتے ہوئے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چل سکا۔ کئی لوگ ارد گرد جمع ہو گئے تھے جو ان کا ہاتھ چھونا چاہتے تھے۔ نائل البرغوثی پینتالیس برس بعد جیل سے باہر آئے۔ مگر جیل، اس کی تاریکی، اس کی گواہی اور اس کے بے جواب سوال، سب ان کے ساتھ ہی باہر آئے۔

مرحوم فلسطینی ادیب ولید دقہ کا ذکر کیا، جنہیں اسرائیلی قید میں اپنی بیوی یا بیٹی کو گلے لگانے کا حق نہ ملا۔ ہمیں جس چیز نے سنبھالا وہ تھی کہ باہر کوئی ہم سے محبت کرتا ہے اور ہمارے دکھوں کا ساتھی ہے۔ برغوثی نے کہا۔ "ہمیں رومیو اور جولیٹ کی ضرورت نہیں۔ ہمارے پاس ایسی ہزاروں کہانیاں ہیں۔" برغوثی جب نو عمری میں جیل میں چلے گئے تو تعلیم کا سلسلہ چھوٹ گیا تھا۔ مگر جب 2002 میں فلسطینی لیڈر مروان برغوثی کو پابند سلاسل کر کے عمر قید کی سزا سنائی گئی، تو انہوں نے جیل میں بند دیگر فلسطینوں کو مطالعہ کی ترغیب دی۔

اس کے نتیجے میں نائل برغوثی بھی خاصے وسیع المطالعہ ہیں۔ وہ عربی کے علاوہ عبرانی اور انگریزی روانی سے بولتے ہیں، اور عالمی تاریخ سے واقف ہیں۔ ہماری گفتگو میں انہوں نے برصغیر کی تاریخ کا ذکر کیا۔ انہوں نے مہاتما گاندھی، محمد علی جناح، جواہر لعل نہرو، ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر کو پڑھا ہے۔ حتیٰ کہ کشمیر کا جب ذکر آیا تو اس کی تاریخ کے ساتھ انہوں نے لیڈران جیسے شیخ

عبداللہ اور سید علی شاہ گیلانی کا بھی ذکر کیا۔ جب میں نے پوچھا کہ یہ وسعت کیسے حاصل ہوئی، تو وہ مسکرائے۔ "جیل نے ہمیں پڑھنے دیا" انہوں نے کہا۔ وہ اس کے لیے مروان برغوثی کو کریڈٹ دیتے ہیں کہ انہوں نے فلسطینی قیدیوں کو تعلیم کی طرف راغب کیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری تعلیم معاشرے کو فائدہ نہیں دے سکے گی کیونکہ ہماری قسمت میں تو جیل میں ہی مرجانا لکھا ہے۔ مگر یہ یقین ہے کہ "ہم اللہ کے پاس جاہل نہیں، باخبر ہو کر جائیں گے۔"

برغوثی کو فروری 2025 میں غزہ جنگ بندی سے منسلک قیدی تبادلے کے تحت رہا کر دیا گیا۔ مگر جب فہرست میں ان کا نام آیا تو اسرائیل نے شرط رکھی کہ ان کو فلسطینی علاقوں میں رہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی ہے۔ ان کو جلاوطن کیا جائیگا۔ ابتدا میں جب جیل میں ان کو بتایا گیا کہ رہا ہونے کے فوراً بعد ان کو مصر بھیجا جائیگا، تو انہوں نے رہا ہونے سے منع کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ "قید جلاوطنی سے کم تلخ ہے۔" مگر ثالثوں کے دباؤ میں انہوں نے رہائی قبول کی، کیونکہ خدشہ تھا کہ اگر مذاکرات ٹوٹ گئے تو غزہ کی امداد یا دوسرے قیدیوں کی رہائی بھی متاثر ہوگی۔ "یہ موت کے پروانے جیسا تھا،" انہوں نے کہا۔ انہیں اپنی زمین، اپنے گھر، اپنے زیتون کے درختوں سے جدا کر کے قاہرہ بھیج دیا گیا۔ دہائیوں کے تشدد سے تھکا ہوا جسم کئی بیماریوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے اب وہ ترکیہ میں علاج کرا رہے ہیں۔ دائمی درد، چوٹوں اور ان بیماریوں کے ساتھ جو جیل کی دیواروں کے اندر خاموشی سے جمع ہوتی رہیں، اب ان کو پریشان کر رہی ہیں، پھر بھی ان کا یقین قائم ہے۔ وہ بتا رہے تھے کہ ان کی جدو جہد ختم نہیں ہوئی ہے اور وہ اب بھی مزاحمت کر رہے ہیں۔ ان سے بات چیت کرتے ہوئے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چل سکا۔ کئی لوگ ارد گرد جمع ہو گئے تھے جو ان کا ہاتھ چھونا چاہتے تھے۔ نائل البرغوثی پینتالیس برس بعد جیل سے باہر آئے۔ مگر جیل، اس کی تاریکی، اس کی گواہی اور اس کے بے جواب سوال، سب ان کے ساتھ ہی باہر آئے۔ وہ اقبال کے اس شعر کی ایک عملی تفسیر معلوم ہو رہے تھے؛

یقین محکم، عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

آپ نے پوچھا ہے!!!.....................................

نائم/نگران دارالافتاء* جامعہ صدیقیہ اسلامیہ راولپنڈی*

دینی کتب خریدنا

سوال۔۔۔دینی کتب خریدنا کیا اسراف میں شامل تو نہیں ہے؟

جواب۔۔۔تعلیم قرآن کریم یا تحصیل علوم نبوت کی نیت سے قرآن کریم کے مختلف مصاحف یا علمی کتب خریدنا اسراف نہیں ہے بلکہ باعث اجر ہے، یہ انسان کی دینی ضرورت ہے، اس پر ان شاءاللہ آخرت میں بھی ثواب ہوگا۔تاہم اگر کسی کے پاس دینی کتب اضافی ہوجائیں اور وہ کسی بھی استعمال میں نہ رہیں تو ان کو کسی دینی لائبریری میں دیدیں، یہ صدقہ جاریہ ہوگا، اگر کوئی نہ بھی دے تو یہ بخل میں شمار نہیں ہوگا۔

جھوٹی قسم کھانا

سوال۔۔۔ بات بات پر قسم کھانا اور اس میں صداقت نہ ہو کیا حکم ہے؟

جواب۔۔۔جھوٹی قسم کھانے والا توبہ واستغفار کرے اور آئندہ جھوٹی قسم کھانے سے گریز کرے!!

معاشرے میں اس وقت جھوٹی قسم کھانے کا عمومی رواج معاشرہ کی ابتری اور زبوں حالی کا ایک اہم سبب ہے، نیز کاروبار میں بے برکتی، خاندان میں جھگڑے اور تعلقات میں دوریاں بھی اس قسم کے غیر شرعی اور غیر اخلاقی رویوں کے سبب ہے۔

عدالتی خلع کا حکم:

سوال۔۔۔ اگر عدالت کے ذریعے خُلع لیا ہے تو عدت کے احکامات کیا ہوں گے؟ نیز نکاح ثانی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔۔۔اگر شوہر عدالت میں حاضر نہیں ہوا اور اس نے زبانی یا تحریری طور پر خلع کو قبول نہیں کیا تو ایسے یک طرفہ عدالتی فیصلے کو شرعی خلع قرار نہیں دیا جاسکتا؛ کیوں کہ شرعی طور پر خلع کے معتبر ہونے کے لیے میاں بیوی دونوں کی رضامندی ضروری ہے، جب کہ مذکورہ صورت میں خلع کا فیصلہ شوہر کی اجازت و رضامندی سے نہیں ہوتا اور شوہر نے اس خلع نامہ پر دستخط کرکے اس کو قبول ہی نہیں کیا۔نیز عمومی احوال میں شوہر کی اجازت اور وکالت کے بغیر کسی اور کو طلاق دینے کا بھی اختیار نہیں ہے۔

جبکہ جدید علماء اس خلع کو جائز مانتے ہیں ان کے نزدیک خاوند کی رضامندی ضروری نہیں۔اس صورت میں عدالت کی ذمہ داری بنتی وہ شوہر کو طلب کرے، وارنٹ جاری کرے اگر وہ نہیں آئے تو عدالت تنسیخ نکاح کی مجاز ہے۔

سوال۔۔۔ تنسیخ نکاح کی کیا شرائط ہیں؟

جواب۔۔۔فسخ نکاح کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اور وہ یہ کہ یا تو شوہر نامرد ہو (حقوق زوجیت ادا نہ کرسکتا ہو)، یا مجنون ہو (دیوانہ جس کو ہوش وحواس نہ ہوں)، یا مفقود الخبر (لاپتا ہو) ہو یا متعنت (ظالم) ہو کہ بیوی کا نان نفقہ نہ دیتا ہو اور ظلم کرتا ہو۔پھر عورت اپنے اس دعویٰ کو شرعی گواہوں کے ذریعے عدالت کے سامنے ثابت بھی کرے۔نیز متعلقہ صورت میں سے ہر ایک کی شرائطِ معتبرہ کی رعایت رکھی جائے، سو اگر یہ شرائط پائی گئیں تو عدالت کا فیصلہ شرعاً تنسیخِ نکاح ہوگا اور میاں بیوی میں جدائی ہوجائے گی اور اگر یہ شرائط مکمل نہ ہوں تو ایسے یک طرفہ عدالتی فیصلے کو تنسیخِ نکاح بھی قرار نہیں دیا جاسکتا۔لہٰذا مذکورہ لڑکی بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں ہے۔اور جب نکاح نہیں ٹوٹا تو عدت بھی نہیں۔

سوال۔۔۔عدالتی خلع میں عدت کب سے ہوگی؟

جواب۔۔۔عدالت کسی کو خلع کی ڈگری دے تو کیا معتبر ہوگا عدت شمار کی جائیگی اور اگر عدالتی خلع میں شوہر کی رضامندی پائی گئی تو وہ خلع معتبر ہوگا، اور اس کی عدت وہی ہوگی جو مطلقہ کی عدت ہوتی ہے، یعنی اگر عورت حاملہ نہ ہو تو تین مرتبہ ایام کا گزرنا، اور اگر اسے ایام نہ آتے ہوں تو تین ماہ، اور اگر وہ حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش تک۔اور عدت کے دوران اس کے لیے وہی احکام ہوں گے جو طلاقِ بائن کی عدت میں ہوتے ہیں، یعنی عدت شوہر کے گھر میں رہ کر گزارنا لازم ہے، اور اس دوران شدید ضرورت کے بغیر گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے، نیز بناؤ سنگھار سے اجتناب بھی لازم ہے۔

سوال۔۔۔دو طلاقیں۔کے بعد رجوع کیسے ممکن ہے۔اگر شوہر ایک ہی وقت میں اپنی بیوی کو دو طلاقیں دے دے، پھر عدت کے اندر رجوع نہ کرے اور ایک سال یا اس سے زیادہ عرصہ گزر جائے، تو: کیا تیسری طلاق خود بخود واقع ہوجاتی ہے؟ کیا میاں بیوی کے درمیان دوبارہ نکاح جائز ہے؟ دوبارہ نکاح کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

جواب۔۔۔اوّل: ایک ہی مجلس میں دی گئی دو طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔البتہ طلاقوں کی گنتی میں فقہاء کا اختلاف ہے، مگر تمام مکاتبِ فکر کے نزدیک اس صورت میں تین طلاقیں مکمل نہیں ہوتیں۔

دوم: تیسری طلاق خود بخود واقع نہیں ہوتی۔طلاق صرف واضح الفاظ، تحریر یا نیت کے ساتھ قول سے واقع ہوتی ہے، وقت گزرنے، عدت ختم ہونے یا رجوع نہ کرنے سے نہیں۔

سوم: چونکہ شوہر نے عدت کے اندر رجوع نہیں کیا، اس لیے عدت ختم ہونے کے ساتھ پرانا نکاح ختم ہوگیا۔لیکن چونکہ دو (یا اس سے کم) طلاقیں واقع ہوئی ہیں، اس لیے دوبارہ نکاح شرعاً جائز ہے۔

چہارم: دوبارہ نکاح کا شرعی طریقہ

دوبارہ اکٹھا ہونے کے لیے نیا نکاح ضروری ہوگا، جس کی شرائط یہ ہیں: فریقین (خصوصاً عورت) کی واضح رضامندی۔نیا مہر مقرر کیا جائے۔ایجاب وقبول ایک ہی مجلس میں کم از کم دو عادل گواہ ولی۔۔جمہور فقہاء کے نزدیک شرط۔فقہ حنفی میں مستحب۔یہ نکاح حلالہ نہیں کہلائے گا، کیونکہ تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی۔

مفتی صاحب سے آپ اس نمبر اور ای میل پر رابطہ کرسکتے ہیں

03005259116
Taibahfoundation1@gmail.com

مقبوضہ کشمیر کے کشتواڑ اور کٹھوعہ اضلاع میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے مابین جھڑپیں

ایک مجاہد شہید، JCO سمیت 4 بھارتی فوجی ہلاک، JCO سمیت 10 دیگر فوجی اہلکار زخمی

بھارتی فوج اور بدنام زمانہ بھارتی خفیہ ایجنسیوں (این آئی اے)، (ایس آئی اے) کے مقبوضہ کشمیر کے مختلف علاقوں میں مشترکہ چھاپے اور تلاشی کارروائیاں جاری

درجنوں عام شہری گرفتار، ایک درجن کے قریب جائیدادیں ضبط

ہمایوں قیصر

16 دسمبر 2025۔۔۔ضلع ادھم پور کے علاقے مجلٹا میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا جس کے نتیجے میں ایک بھارتی فوجی اہلکار امجد پٹھان گولی لگنے سے ہلاک جبکہ دو اہلکار زخمی ہو گئے۔ضلع کپواڑہ کے پوتہ خان علاقے میں بارودی سرنگ کے ایک دھماکے میں ایک بھارتی فوجی حوالدار زبیر احمد ہلاک ہوگیا۔

18 دسمبر 2025۔۔۔ضلع اسلام آباد کے علاقے میں بھارتی فوج کا اہلکار لکھویندر سنگھ دل کا دورہ پڑنے سے ہلاک ہوگیا۔ بھارتی فوج نے جموں کے مختلف علاقوں ضلع ادھم پور، بسنت گڑھ اور رام نگر، ڈوڈہ، کشتواڑ جبکہ اسلام آباد، بانڈی پورہ، بارہمولہ اور کپواڑہ میں محاصرے اور تلاشی کارروائیاں کیں اوراس دوران گھروں پر چھاپے مارے، گھریلو سامان کی توڑ پھوڑ کی اور مکینوں کو ہراساں کیا۔بھارتی انتظامیہ نے ضلع کپواڑہ میں ایک کشمیری ولی محمد میر کا دومنزلہ رہائشی مکان کالے قانون ”یواے پی اے“ کے تحت ضبط کرلیا۔

19 دسمبر 2025ء۔۔۔بھارتی پولیس نے ضلع ڈوڈہ میں گائے کے گوشت کی فروخت کے الزام میں تین کشمیری تاجروں فاروق احمد، محمد شفیع اور محمد یاسین کو گرفتار کرلیا ہے۔ پولیس نے گرفتارشدگان پر الزام عائد کردیا کہ انہوں نے ہندو برادری کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔

20 دسمبر 2025ء۔۔۔ضلع شوپیاں کے علاقے ہیرپورہ میں بھارتی پولیس نے ایک چھاپے کے دوران دو عام شہریوں احمد حسن وگے اور راحیل احمد بٹ ساکن کولگام کو گرفتار کر لیا۔ پولیس نے انکی گرفتاری کا جواز فراہم کرنے کیلئے ان سے بھارت مخالف پوسٹر برآمد کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔مقبوضہ کشمیر میں بدنام زمانہ بھارتی تحقیقاتی اداروں نیشنل انویسٹی گیشن ایجنسی (این آئی اے اور سٹیٹ انویسٹی گیشن ایجنسی (ایس آئی اے) نے سرینگر اور ضلع شوپیاں کے علاقے نادیگام میں چھاپے مار کر مولوی عرفان احمد وگے سمیت متعدد افراد کو حراست میں لے لیا۔

21 دسمبر 2025ء۔۔۔بھارتی پولیس نے ضلع پلوامہ نیوسرکلر روڈ پر معمول کی گشت کے دوران ایک شخص ہلال احمد ساکن کاکہ پورہ کے علاقے کھدرموہ کو گرفتار کرلیا ہے اوران سے جماعت اسلامی کے پوسٹر برآمد کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ضلع بڈگام کی ایک عدالت نے امیر حزب المجاہدین سید صلاح الدین احمد کے خلاف ایک بار پھر غیر ضمانتی گرفتاری کے وارنٹ جاری کردیے ہیں۔

22 دسمبر 2025۔۔۔بھارتی ریاست ہماچل پردیش اور ہریانہ میں ہندو انتہاپسندوں کی طرف سے درجن کے قریب کشمیری شال فروشوں کو ہراساں کرنے اورانہیں ”ہندوتوا“ اور ”بھارت ماتا کی جے“ جیسے نعرے لگانے پر مجبور کیا گیا اور بار بار ہراساں بھی کیا جارہا ہے۔

23 دسمبر 2025۔۔۔امریکہ میں مقیم کشمیری لابیسٹ ڈاکٹر غلام نبی فائی کی ضلع بڈگام میں موجود 1.5 کنال سے زائد اراضی کو بھارتی ایجنسی (این آئی اے) نے کالے قانون کے تحت ضبط کرلیا ہے جبکہ ان کی ایک اور جائیداد جو 11 مرلے اراضی ہے بھی ضبط کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔بھارتی پولیس نے ضلع کپواڑہ سے مزید دو کشمیری نوجوانوں کو جاسوسی کے الزام میں گرفتار کیا ہے۔ بھارتی شہر اروناچل پردیش کے گنگا گاؤں، ایٹانگر، ضلع سیانگ کے آلاؤ ٹاؤن علاقوں سے پولیس نے دیگر بھارتی ایجنسیوں کے ہمراہ مبینہ طور پر حساس معلومات اکٹھا کرنے کے الزامات میں کشمیری نوجوانوں اعجاز احمد بٹ اور بشیر احمد گنائی، نذیر احمد ملک، ہلال احمد میر سمیت پانچ افراد کو گرفتار کیا ہے جبکہ ضلع پلوامہ کے علاقے اونتی پورہ کے علاقے ووین کھریو سے گلاب باغ ترال کے رہائشی نوجوان جاوید احمد حجام کو بھارتی فوج نے گرفتار کیا۔قابض بھارتی فوج نے جاوید احمد پر کشمیری مجاہدین کو لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔ضلع کپواڑہ میں بھارتی فوج کا صوبیدار لائیک رام نوگام میں حرکت قلب بند ہونے سے ہلاک ہوگیا۔

26 دسمبر 2025۔۔۔سرینگر شہر کے قریب بھارتی فوج کے ایک کیمپ میں اچانک آگ بھڑک اٹھی جسکے نتیجے میں متعدد بیرکیں جل کر تباہ ہوئیں۔

28 دسمبر 2025۔۔۔بھارتی ریاست اتر پردیش کے ضلع بریلی میں پولیس نے ضلع پونچھ کے رہائشیوں شوکت علی اور سجاد کو گاؤں ڈھمری سے گرفتار کرلیا۔ضلع اسلام آباد کے علاقے مرہامہ بجبہاڑہ میں ایک خاتون شیرازہ بانو بلیار مرہامہ اہلیہ عبدالحمید

> ضلع ادھم پور کے علاقے مجلٹا میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا جس کے نتیجے میں ایک بھارتی فوجی اہلکار امجد پٹھان گولی لگنے سے ہلاک جبکہ دو اہلکار زخمی ہو گئے

ضلع کٹھوعہ میں بلاور کے علاقوں کھوگ اور دھنو پیرول کماد میں بھارتی فوج اور مجاہدین کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا جس کے نتیجے میں بھارتی فوج نے ایک مجاہد کو شہید کرنے کا دعویٰ کیا ہے جبکہ جھڑپ کے دوران متعدد بھارتی فوج زخمی ہو گئے۔

کماد کی لاش پراسرار حالت میں مردہ پائی گئی۔

29 دسمبر 2025۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج نے اپنی ظالمانہ کارروائیاں جاری رکھتے ہوئے شوپیاں سے اویس احمد لون، شاہ لٹو سے معشوق احمد شاہ اور چیک چولند سے سبزار احمد گنائی کو کالے قانون پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا ہے۔ پولیس نے ایک جھوٹا دعویٰ کیا کہ یہ افراد ریاست مخالف سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔تینوں کو جموں کی کوٹ بھلوال جیل منتقل کیا گیا ہے۔جبکہ سرینگر سے ایک نوجوان کو گرفتار کیا گیا ہے جس کی شناخت ظفر احمد میر ساکن راجباغ کے طور پر ہوئی ہے۔بھارتی افواج نے ضلع جموں کے علاقے ستواری میں چھاپہ مار کارروائی کے دوران بے بنیاد الزام پر ایک عام شہری منظور حسین کو گرفتار کرلیا ہے۔ بھارتی فوج نے مشتبہ شے نظر آنے کا دعویٰ کر کے شمالی کشمیر میں سوپور، باڈی پورہ روڈ کے قریبی علاقے میں محاصرے اور تلاشی کارروائی کی۔سڑک کو عارضی طور پر بلاک کر دیا گیا جس سے مسافروں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جبکہ آپریشن کے دوران شہریوں کی جامہ تلاشی لی گئی اور ہراساں کیا گیا۔ضلع پونچھ کے علاقے ارائی میں آتشزدگی کے ایک واقعے میں دو رہائشی مکانات پراسرار طور پر جل کر خاکستر ہو گئے۔مقبوضہ کشمیر میں قابض حکام معلومات تک رسائی کو روکنے کیلئے شمالی اور جنوبی کشمیر میں ورچوئل پرائیویٹ نیٹ ورک (VPN) کے استعمال پر پابندی عائد کر دی ہے۔قابض فوج نے موبائل فون صارفین کی نگرانی میں اضافہ کرتے ہوئے وادی کشمیر کے کپواڑہ، کولگام اور شوپیاں اضلاع میں (وی پی این) کے استعمال پر پابندی کے ضمن میں 10 سے زائد افراد کے خلاف مقدمات درج کئے گئے ہیں۔

31 دسمبر 2025۔۔۔بھارتی پولیس نے کالے قانون کے تحت ضلع گاندربل میں ایک خاتون سمیت دو کشمیریوں کو گرفتار کر لیا۔ضلع ڈوڈہ کے 17 کے قریب دور دراز دیہاتوں کے 150 کے قریب بدنام زمانہ ملیشیا ویلج ڈیفنس گارڈز (وی ڈی جی) ارکان جن میں کئی خواتین بھی شامل ہیں کو بھارتی فوج نے تربیت دینے کا عمل تیز کر دیا ہے۔یہ تربیتی پروگرام ڈوڈہ ضلع ہیڈکوارٹر سے تقریباً 90 کلومیٹر دور بھلیسہ علاقے میں شنگنی میں منعقد کیا جا رہا ہے۔ بدنام زمانہ بھارتی تحقیقاتی ادارے "نیشنل انویسٹی گیشن ایجنسی"(این آئی اے) کی ایک خصوصی عدالت نے تین کشمیریوں کو انکی سوشل میڈیا سرگرمیوں کی پاداش میں اشتہاری قرار دیا ہے۔عدالت نے سرینگر کے علاقے جواہر نگر کے رہائشیوں مبین احمد شاہ اور عزیز الحسن جبکہ کپواڑہ کے علاقے تریہگام کی خاتون کارکن رفعت وانی کو اشتہاری قرار دیا۔ان تینوں پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ انہوں نے سماجی رابطوں کی سائٹوں پر بھارت کے خلاف مواد اپ لوڈ کیا۔

1 جنوری 2026۔۔۔تحریک آزادی کشمیر کے سینئر رہنما محمد عبداللہ ملک مختصر علالت کے بعد اسلام آباد میں انتقال کر گئے۔مرحوم کی نماز جنازہ اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد صدیق اکبر کے احاطے میں ادا کی گئی جس میں کثیر تعداد میں عوام نے شرکت کی۔مرحوم کا تعلق مقبوضہ جموں وکشمیر میں ضلع باندی پورہ کے علاقے آلوسہ سے تھا۔وہ بنیادی طور پر جماعت اسلامی سے وابستہ تھے ۔مرحوم نے کشمیر کاز کیلئے تحریری اور ابلاغی محاذ پر اہم کردار ادا کیا۔انہوں نے بھارتی مظالم کی وجہ سے 1990 میں آزاد جموں وکشمیر ہجرت کی تھی۔

2 جنوری 2026۔۔۔مقبوضہ کشمیر کے ضلع پلوامہ میں بھارتی پولیس نے جماعت اسلامی جموں وکشمیر کے ایک رکن کے گھر پر چھاپہ مارا اور تلاشی لی ہے۔ چھاپے کے دوران بھارتی پولیس نے جماعت اسلامی کے رکن کے اہل خانہ کو ہراساں کیا اور تاریخی کتابیں، دستاویزات اور لیپ ٹاپ اور موبائل فون ضبط کر لیے۔جبکہ بدنام زمانہ بھارتی تحقیقاتی ادارے نیشنل انویسٹی گیشن ایجنسی (این آئی اے) نے بھارتی فوج کے ہمراہ شوپیاں کے علاقے پدپاون اور پلوامہ کے علاقے پامپور میں چھاپے مار کر نو افراد کو حراست میں لیا ہے۔

3 جنوری 2026۔۔۔بھارتی انتظامیہ نے ضلع پونچھ کی تحصیل منڈی میں جمال احمد لون کی 6 کنال اور 13 مرلہ سے زائد اراضی کالے قانون "یو اے پی اے" کے تحت ضبط کی۔ان کی جائیداد کی ضبطی کا جواز فراہم کرنے کیلئے ان پر بھارت مخالف سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔انتظامیہ نے محض دو روز قبل ضلع پونچھ کے گاؤں ناڑ میں ایک اور شخص رفیق سلطان کی چار مرلہ سے زائد اراضی ضبط کر لی تھی۔ بھارتی پولیس نے انٹرنیٹ تک رسائی کے لیے اپنے موبائل فون پر ورچوئل پرائیویٹ نیٹ ورک (وی پی این) ایپلی کیشنز استعمال کرنے پر 150 کے قریب لوگوں کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے۔پلوامہ ضلع میں 95 افراد، بارہمولہ کے علاقے سوپور میں 23، شوپیاں میں 15، کولگام میں 9، اسلام آباد میں 5، ڈوڈہ میں 2، جبکہ ضلع راجوری میں 1 شخص کیخلاف مقدمہ درج کیا گیا۔اطلاعات کے مطابق ان میں سے اسی علاقے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ضلع کشتواڑ دچھن تچھنا میں پُراسرار آتشزدگی کے ایک خوفناک واقعے میں کم از کم 20 رہائشی مکان مکمل طور پر خاکستر ہو گئے ہیں۔

4 جنوری 2026۔۔۔ضلع کٹھوعہ ریلوے اسٹیشن پر نامعلوم افراد کی فائرنگ کے ایک واقعے میں ریلوے پروٹیکشن فورس کا ایک اہلکار زخمی ہو گیا۔قابض حکام نے آزادی اظہار اور ڈیجیٹل پرائیویسی پر ایک اور حملہ کرتے ہوئے ورچوئل پرائیویٹ نیٹ ورکس (VPNs) کا استعمال کرنے والے تقریباً 800 افراد کی نشاندہی کی ہے جن کے خلاف کارروائی شروع کی گئی ہے۔کارروائی کے دوران متعدد افراد کے خلاف مقدمات درج کیے گئے اور قانونی کارروائی شروع کی گئی جبکہ درجنوں افراد کو طلب کیا گیا، ان سے پوچھ گچھ کی گئی، ڈرایا دھمکایا گیا اور ان پر نفسیاتی دباؤ ڈالا گیا۔

5 جنوری 2026۔۔۔کشمیریوں کو ان کی ملازمتوں اور املاک

سے محروم کرنے کے مودی حکومت کے ایجنڈے کے تحت قابض انتظامیہ نے مقبوضہ جموں وکشمیر میں ایک کشمیری ملازم محمد ارشد گورو سائنس سرینگر آنچارج کو ملازمت سے برطرف کر دیا ہے۔ ضلع اسلام آباد میں بھارتی فوج کا ایک نائب صوبیدار پرگت سنگھ اپنی بیرک میں دل کا دورہ پڑنے سے ہلاک ہوگیا۔

7 جنوری 2026۔۔۔بھارتی پولیس کی کاؤنٹر انٹیلی جنس ونگ نے بھارتی فوج کے ساتھ مل کر 22 مقامات پر چھاپے مارے اور تلاشی کارروائیاں کیں۔ سرینگر میں تقریباً 15 مقامات پر چھاپے مارے گئے جبکہ دیگر اضلاع میں بھی اسی طرح کی کارروائیاں کی گئیں۔بھارتی حکام نے کالے قوانین کے غلط استعمال کا جواز پیش کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ تلاشیوں کا مقصد بھارت مخالف سرگرمیوں میں ملوث افراد کے خلاف

قانوں کے تحت کارروائی کر کے بھارت مخالف اور آزادی پسند سرگرمیوں کی تحقیقات کے حوالے سے ہے۔

8 جنوری ۔۔۔2026۔۔۔ضلع کٹھوعہ میں بلاور کے علاقوں کہوگ اور دھنو پیرول کماد میں بھارتی فوج اور مجاہدین کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہوا جس کے نتیجے میں بھارتی فوج نے ایک مجاہد کو شہید کرنے کا دعویٰ کیا ہے جبکہ جھڑپ کے دوران متعدد بھارتی فوج زخمی ہو گئے۔اس دوران، کاؤنٹر انٹیلی جنس اہلکاروں نے نیم فوجی اہلکاروں کے ساتھ گھروں پر چھاپوں اور تلاشی کارروائیوں کے دوران بائیس نوجوانوں کو گرفتار کرلیا۔

9 جنوری 2026۔۔۔بھارتی انتظامیہ نے کل جماعتی حریت کانفرنس کے سینئر رہنما میرواعظ عمر فاروق کو مسلسل تیسرے جمعہ کو سرینگر میں گھر میں نظر بند رکھ کر نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے تاریخی جامع مسجد نہیں جانے سے روک دیا۔

ضلع کشتواڑ کے چناب ویلی چھاترو علاقے میں مجاہدین نے ایک کارروائی کے دوران بھارتی فوج کی ایک پارٹی پر دستی بموں سے حملہ کیا اور فائرنگ کی، اس حملے کے نتیجے میں ایک جونیئر کمیشنڈ آفیسر (جے او سی)، ایک حوالدار گجندر سنگھ سمیت کم از کم آٹھ بھارتی فوجی زخمی ہو گئے ہیں۔

11 جنوری 2026۔۔۔بھارتی فوج نے جنوبی ضلع اسلام آباد کے علاقے جنگلات منڈی میں کچھ مشتبہ افراد کی موجودگی پر علاقے کو محاصرے میں لے کر گھر گھر تلاشی کے دوران مکینوں کو ہراساں کیا اور گھریلو سامان کو توڑ پھوڑ کی۔

12 جنوری 2026۔۔۔ضلع باڈی پورہ میں بھارتی فوج کے ایک کیمپ میں پراسرار طور پر آگ لگ گئی جس میں بھارتی فوج کا نسٹیبل رمیش کمار جل کر ہلاک ہوگیا۔

13 جنوری 2026۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں بھارتی انتظامیہ نے وادی کشمیر بھر میں مساجد، آئمہ اور مساجد سے وابستہ دیگر افراد کے بارے میں بڑے پیمانے پر معلومات جمع کرنے کی مہم شروع کر دی ہے۔بھارت نے متعدد علاقوں کی مساجد میں چار صفحات پر مشتمل ایک تفصیلی فارم بھیجنا شروع کر دیا ہے جس میں مساجد اور ان سے منسلک افراد بشمول ائمہ، خطیب، موذن، مسجد کمیٹی کے اراکین اور بیت المال کے بارے میں مکمل معلومات طلب کی گئی ہیں۔فارم میں ہر مسجد کی بابت مسلکی وابستگی، بیٹھنے کی گنجائش، منزلوں کی تعداد، تعمیراتی لاگت، فنڈنگ کے ذرائع، ماہانہ بجٹ، بنک اکاؤنٹ کی تفصیلات اور انتظامی ڈھانچے سے متعلق معلومات مانگی گئی ہیں۔

14 جنوری 2026۔۔۔ عدالت نے سینئر حریت رہنماء اور دختران ملت کی سربراہ آسیہ اندرابی اور دو ساتھیوں فہمیدہ صوفی اور ناہیدہ نسرین سمیت کو کالے قانون (یو اے پی اے) کے تحت درج ایک مقدمے میں مجرم قرار دے دیا ہے۔یاد رہے بھارت کے بدنام زمانہ تحقیقاتی ادارے این آئی اے نے آسیہ اندرابی کو اپریل 2018 میں گرفتار کیا تھا۔آسیہ اندرابی کے خلاف بھارت کے خلاف نفرت انگیز تقاریر کے ذریعے جنگ چھیڑنے اور مجرمانہ سازش کا مقدمہ درج کیا گیا تھا۔آسیہ اندرابی نے 1987 میں خواتین پر مشتمل آزادی پسند تنظیم دختران ملت کی بنیاد رکھی تھی۔ضلع پونچھ میں کنٹرول لائن (ایل او سی) کے ساتھ جنگل میں آتشزدگی کا سلسلہ جاری ہے۔ آگ کے باعث بھارتی فوج کی طرف سے بچھائی جانے والی ایک درجن سے زائد بارودی سرنگوں کے پھٹنے کے عمل سے قریبی دیہات کے مکینوں میں خوف و ہراس پھیل گیا۔سرینگر کے پولیس کنٹرول روم میں بھارتی پولیس کا ایک اہلکار حرکت قلب بند ہوجانے کے باعث چل بسا جبکہ ضلع اسلام آباد کے علاقے اچھہ بل سے مسرور احمد نامی ایک 34 سالہ شخص کی لاش پراسرار طور پر برآمد کی گئی ہے۔

15 جنوری 2026۔۔۔بھارتی انتظامیہ نے بھارتی فوج کی سرپرستی میں قائم ویلج ڈیفنس گارڈز (وی ڈی جی) کی خواتین کارکنوں کو رائفلوں سے لیس وی ڈی جی خواتین ارکان ڈوڈہ، کشتواڑ اور رام بن اضلاع کے مختلف دیہات کی حفاظت پر تعینات کر دیا ہے۔خواتین کارکنوں کے مسلسل گشت سے علاقے کے مسلمانوں کو کافی خوف و ہراس کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

19 جنوری 2026۔۔۔ضلع کشتواڑ کے چناب ویلی چھاترو علاقے میں مجاہدین نے ایک کارروائی کے دوران بھارتی فوج کی ایک پارٹی پر دستی بموں سے حملہ کیا اور فائرنگ کی، اس حملے کے نتیجے میں ایک جونیئر کمیشنڈ آفیسر (جے او سی)، ایک حوالدار گجندر سنگھ سمیت کم از کم آٹھ بھارتی فوجی زخمی ہو گئے ہیں۔بھارتی فوج کے زیر انتظام ویلج ڈیفنس گروپ (وی ڈی جی) کے ایک رکن نے نوشہرہ علاقے میں مشتبہ نقل وحرکت کو جواز بنا کر بلااشتعال فائرنگ کی جس سے علاقے میں خوف کی لہر پھیل گئی۔